بسم اللہ الرحمن الرحیم

منازل السائرہ

حصہ دوم

تصنیف

مصور غم علامہ راشد الخیری مدظلہ

مصنف صبح زندگی۔ شام زندگی۔ بنت الوقت۔ سراب مغرب وغیرہ وغیرہ

جسے

ملا محمد الواحدی دہلوی

نے

بماہ جمادی الاول ۱۳۴۴ ہجری النبوی مطابق دسمبر ۱۹۲۵ عیسوی

دوسری مرتبہ

اپنے درویش پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول

انتباہ و اطلاع

منازل السائرہ کا دائمی حق اشاعت جناب شیخ عبدالقادر صاحب وزیر تعلیم حکومت پنجاب نے مجھے دیا ہے اس لیے کوئی صاحب اسے یا اس کے کسی حصہ کو بطور خود چھاپنے کا ارادہ نہ کریں ورنہ اخلاقی و قانونی جرم کے مرتکب ہونگے۔ ہاں کتب فروش حضرات اس سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو معقول کمیشن پر اس کی جلدیں دفتر نظام المشائخ دہلی سے خرید سکتے ہیں۔

جس کتاب پر پبلشر کے قلمی دستخط نہ ہوں گے وہ مال مسروقہ سمجھی جائے گی۔

خاکسار محمد الواحدی مالک و اڈیٹر نظام المشائخ پوسٹ بکس ۵۱ دہلی

تصنیفات مصور غم علامہ راشد الخیری مدظلہ

صبح زندگی عمر
شام زندگی عمر
شب زندگی حصہ اول عمر
شب زندگی حصہ دوم عمر
نوحہ زندگی ۱۲/
امت کی مائیں عمر
الزہرا ۱۲/
قطرات اشک عمر

جوہر قدامت عمر
یاسمین شام عمر
تیغ کمال عمر
سمرنا کا چاند عمر
منازل السائرہ حصہ اول عمر
ماہ مجسم عمر
عروس کربلا عمر
محبوبہ خداوند ۱۲/

آفتاب دمشق ۱۴/
موذودہ ۸/
بنت الوقت ۸/
سراب مغرب ۸/
فسانہ سعید ۸/
تائید غیبی ۸/
لڑکیوں کی انشا ۱۲/
سوکن کا جلاپا ۶/

افسانے ۸/
سنجوگ ۱۰/
گوہر مقصود ۶/
در شہوار ۱۰/
شاہین و دراج ۸/
انگوٹھی کا راز ۸/
جوہر عصمت ۶/
روداد قفس ۶/

سب کتابوں کے ملنے کا پتہ: مینیجر نظام المشائخ پوسٹ بکس نمبر ۵۱ - دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منازل السائرہ

حصّہ دوم

(۲۵)

شادی بیاہ کی وہ رسوم جو شرک و گناہ سے تعبیر کی جاتی ہیں سب دلہن ہی کے گھر پر ختم ہوگئیں۔ دولہا کے یہاں جاکر غل و شور کے علاوہ کوئی قابل الذکر معاملہ کوئی رسم، نئی بات پیش نہیں آئی۔

دوسرے دن دوپہر کو شاکرہ نے سمدھن کو چوتھی کی اطلاع اور پچاس آدمیوں کی دعوت کہلا بھیجی۔ مگر مولوی صاحب نے چوتھی کی اجازت نہ دی۔ شاکرہ کو ناگوار بھی ہوا مگر کر ہی کیا۔ دلہن صبح کی آئی ہوئی تھی شام کو دولہا والے پچاس آدمی لے کر آگئے چوتھی نہ ہوئی چالا ہوا۔ کھانا کھایا دولہن کو لے کر چلے گئے۔ تیسرے روز صبح کو مولوی صاحب اشراق سے فراغت اور مریدوں سے فرصت پاکر گھر میں تشریف لائے بہو جھکی ہوئی بیٹھی تھی۔ چپکے چپکے کچھ دعا پڑھتے رہے۔ پڑھ چکے تو بہو کا منہ

کھولا۔ دم کیا، اور خدا حافظ کہکر اٹھ کھڑے ہوئے سب کے دل حزیں کر باہر آئے سینکڑوں آدمیوں کا مجمع تھا۔ گاڑی تیار کھڑی تھی سب اسباب لد چکا تھا۔ گھر بار کو سپرد خدا کیا اور حج کو روانہ ہو گئے۔

سائرہ کواری ہی کی حالت دیکھکر اندیشہ تھا کہ بیاہ بیاہی جاکر کیا کریگی۔ میکے میں باوجود دیکھ کوئی بات نہ پوچھتا تھا۔ ڈیڑھ ہاتھ کی زبان تھی سسرال گئی تو خاطر مدارات شروع ہوئی۔ مزاج تھا کہ ساتویں آسمان پر پہنچا۔ مہینہ میں ان تو شرما شرمی گذر گئے چالیس کا ختم ہونا تھا کہ لڑکی کو سیدھے منہ بات کرنا قسم ہو گئی۔ کہنا ہے کہ صبح سے شام تک پڑا جھک مار رہا ہے۔ میاں ہیں وہ گھنٹوں بیٹھے خوشامد کر رہے ہیں۔ ساس ہیں وہ منتیں کر رہی ہیں۔ بیچوں کا بھابی بھابی دولہن کہتے منہ خشک ہو رہا ہے وہ کم بخت ہے کہ کان پر جوں نہیں چلتی۔ سسرے موجود ہی نہ تھے بڑی بوڑھی کو سر کا تاج کہو۔ اچھا کھوٹا کھرا کھوٹے دیکر ایک ساس کا دم تھا۔ ڈیڑھ دو مہینہ تک تو خیر ان کا رعب شرم حیا لحاظ کچھ نہ کچھ باقی بھی رہا۔ پاؤں بھاری ہوتا تھا کہ ساس بیچاری پاؤں کی جوتی ہو گئیں۔ آتے اور جاتے اٹھتے اور بیٹھتے سامنے اور پیچھے لعنت اور ملامت کوسنے اور فضیحتیاں دھکار اور پھٹکار۔ سائرہ جیسی بیوی اور عابد جیسا میاں جو ناچ نچاتی ناچتا کان پکڑ کر اٹھاتی اور کان پکڑ کر بٹھاتی نوکر کو عذر ماما کو عذر اور اس غریب کو عذر نہیں، عابد جیسا آدمی جس نے آجتک کسی غیر کی بھی دلشکنی نہ کی جس نے کہا اور جو کچھ کہا فائدہ ہو نقصان ہو وہ تعمیل کو آمادہ۔ سائرہ تو بیوی تھی پہلے ہی ان سوچ چکی تھی کہ بالکل گاؤدی معلوم ہوتا ہے اس کا مرید کر لینا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ البتہ ایک ساس کا جھگڑا ہے اس کی بھی انشاءاللہ کوئی تدبیر نکالوں ہی گی

ساس آج سے کیا منگنی ہی سے بہو کی تعریفیں سن رہی تھیں بہو کا گھر میں پاؤں رکھنا تھا پھونک پھونک کر قدم رکھنے لگیں۔ مگر ان کا رشتہ ہی ایسا تھا

کہ لاکھ محبت کریں سب خاک تھی۔ کتنا ہی لحاظ کریں لیکن درگزر کریں ساس گیری کا نام کہاں سے مٹ جاتا۔ اُن جیسی بردبار اور بے شر عورت کہ کبھی کسی معاملہ میں دخل ہی نہ دیں۔ مگر بہو کیا ایک عذاب تھا کہ زندگی دوبر کر دی۔ گھر میں ہنا اجیرن ہو گیا۔ بچاری بھر کم آدمی زمانہ دیکھے ہوئے دو بہوئیں برتے ہوئے خوب سمجھتی تھیں کہ اگر ذرا منہ لگتی ہوں تو سات پشتوں کو پُن کر رکھدے گی لیکن اس مکار کے سر پر کچھ ایسا جن سوار ہوا کہ ہر وقت اسی تاک میں تھی کہ کوئی موقع ملے تو دل کی بھڑاس نکالوں۔ ہر بات میں اڑنگا لگاتی۔ واسطہ نہ غرض آس نہ پاس کام کسی کا بات کسی کی اپنے سے مطلب ہو نہ ہو بولنا ضرور۔

ساس کیا اتنا بھی نہ جانتی تھیں سو طرح دیتی تھیں دیکھتیں اور منہ پھیر لیتیں، سُنتیں اور ٹالدیتیں لیکن کہانتک وکب تک ایک گھر کا رہنا سہنا۔ ایک جگہ کا اُٹھنا بیٹھنا پھر ساس بہوؤں کا رشتہ آخر ایک دن مڈبھیڑ ہو ہی گئی۔

عشرے کا دن تھا عورتوں کے عقائد علی العموم مردوں سے مختلف ہوتے ہیں اور پھر مولوی صاحب کا گھر تو ماشاءاللہ مذہب کی کان تھا۔ چھوٹے اور بڑے بڈھے اور جوان غرض بچہ بچہ مذہب پر جان دیتا تھا گھر والے تو گھر والے نوکر اور ماماؤں کی اتنی مجال نہ تھی کہ ایک وقت کی نماز قضا کرلیں۔ ماماؤں کے تغیر و تبدل میں اگر کوئی بے نماز پلے پڑ گئی تو اس کے پکائے ہوئے کھانے کے پاس جانا گناہ اور ہاتھ لگانا حرام۔ سائرہ کے علاوہ اس دن گھر بھر روزے سے تھا یہ ساس کی محبت، شرارت، انسانیت، عداوت جو چاہے کہہ لو۔ صبح کی نماز پڑھ کر سب سے پہلا کام گوشت ترکاری کے دام ماما کے حوالے کیئے۔ ایک آدمی کا پکنا ہی کیا جب تک ماما واپس آئی ساس نے آٹا گوندھ توا رکھ روٹی ڈال لی مصالحہ بھون رہی تھیں کہ گوشت آگیا۔ جلدی سے بگھار ترکاری ڈال

سالن تیار کر پتیلی کی پتیلی اور دسترخوان کا دسترخوان یوں کا یوں ہی بہو کے کمرے میں
رکھوا دیا بہو بیگم چھپر کھٹ میں پڑی آرام کر رہی تھیں نو بجے کے قریب سو کر اٹھیں اتفاق
سے نظر پتیلی پر جا پڑی۔ کھولکر دیکھا تو سالن جما ہوا دسترخوان دیکھا تو روٹیاں ٹھنڈی
ماما سے کہا بیکار تھوڑی ہے جو باسی کوسی کھاتا میرے منہ پر چپک گئیں۔ ساس نے
اٹھکر سالن گرم کیا آپ لے کر گئیں۔ خدا خدا کر کے بہو کا مزاج درست ہوا تو
ساس کی محنت ٹھکانے لگی۔

کھانے سے فرصت ہوئی تو نہانے کا حکم چھڑا ماما نے آنے سے پہلے ساس نے
پانی گرم کیا۔ میاں جا کر منہیاری کو لائے۔ سائرہ نہائی نہا کر کپڑے بدلے
چوڑیاں پہنیں۔ ساس ظہر کی نماز پڑھ کر بہو کے پاس سے نکلیں چوڑیوں کا آداب تو در کنار۔
چھوٹی روزہ دار نند سے پانی منگوایا۔ اور وہیں کھڑے کھڑے پی لیا۔ ساس بیچاری کی جو
شامت آئی منہ سے اتنا نکل گیا بیٹی نہا کر تو دو فرض پڑھ لیا کرو۔ خدا کو سجدہ کرنا کتنا
تھوڑی ہے۔ اللہ رکھے دن سر پر چلے آ رہے ہیں کچھ تو خدا کا خوف کیا کرو۔

بہو۔ میں مر جاؤں گی تم خوش ہو جانا میں بری ہوں اب کے اچھی لے آنا۔ نماز
خدا کی ہے یا ساس نندوں کی پھر تم کہنے والی کون۔ گناہ ہوگا تو مجھ پر پکڑی جاؤنگی تو
میں تم تو میری قبر میں نہیں سوؤگی۔ مجھے ایسے ڈھکوسلے نہیں آتے دن بھر لوگوں کی بدیاں
کریں رات بھر غیبتیں کریں دکھانے کو گز بھر کی تسبیح لے بیٹھیں بڑی بی کو نہ سمجھایا کہ رمضان
تک کے روزے رکھنے نصیب ہوتے تھے۔ کوئی بات نہ ہوئی اسی پر رکھ کر دبا لیا۔ میں
بہو ہوں لونڈی تو ہوں نہیں ہر وقت دبی پلی ہی بنی رہونگی۔ یہ بھی اس دن کا ابرا
ہوگیا کہ خواہ مخواہ کا جھگڑا لے بیٹھیں ہیں ایسے ادب لحاظ کو چولہے میں جھونکتی ہوں
اب تک سنی اب نہیں سنی جاتیں۔

ساس بیٹی خدا سے ڈر کے بات کرو میں تو اب تم کو بیوا سمجھتی ہوں کس دن

تمہاری شان میں گستاخی کی ہے۔ آج اتنا کہنے کی گنہگار ضرور ہوں اس کی سزا بھگت لی۔ اب بھی پیٹ نہیں بھرا۔ جوتی لیکر آجاؤ۔ میری مری ہوئی بیٹی کا کیوں نام لو اس جیسی نمازن تو تمہارے کنبے میں نہ ہو گی۔ تمہارے ہاں کبھی کسی نے نماز پڑھی ہو تو جا تو آج تک ماں کو نصیب ہوئی نہ باوا کو۔ دادی کو نہ دادا کو۔ اس گھر میں رہو گی تو نماز پڑھنی ہی پڑے گی۔

بہو۔ تمہارے ہاں تو سب پیغمبر ہی پیدا ہوئے ہیں۔ میرے دادا اور دادی تمہارے آگے ہاتھ جوڑنے آئیں گے تو تم اُن کو نہ بخشوانا۔ سے اماں باوا نماز نہیں پڑھتے تو کیوں بڑوں کی بڑی کر ہاتھ جوڑ کر لائیں۔ آگ لگے اس گھر کو ہر وقت کا جھینکنا ہے۔ کوئی گھڑی کبھی چین کی نہیں۔ ایک پل چاہو کل سے گزر جائے نصیب نہیں۔ ساسوں کو ایسا چرچا کرتے ہم نے آج تک نہیں سُنا۔ نماز کیوں نہیں پڑھی۔ روزہ کیوں نہیں رکھا۔ روٹیاں کے کھائیں۔ سوئیں کس وقت۔ اُٹھیں کب۔ نہائیں کیوں۔ سر کیوں گوندھا۔ پان کیوں کھایا۔ مسّی کیوں لگائی۔ کہاں تک صبر کروں۔ کب تک انگیز وں۔ چار مہینے اسی چنٹے میں گزر گئے۔ کلیجہ پک گیا۔

ساس۔ بیوی ذرا دیکھ کر کہو اور سمجھ کر بولو۔ میں تمہاری ساس ہوں برابر کی سہیلی نہیں ہوں۔ میں نے ایسی بہوئیں دیکھیں نہ سنیں ہیں اس زبان کی لاگو نہ اس مزاج کی لگاوٹ۔ جوتیاں کھائیگا تو میاں کھائیگا جس کا نکاح بندھا ہے۔ میری جوتی کو بھی غرض نہیں کہ تمہارے منہ لگوں۔

بہو۔ میری زبان تو بُری ہے۔ ذرا اپنا مزاج تو دیکھو تم نے ایسی بہوئیں دیکھی ہی نہیں ہیں ایسی ساس کو ساس نہیں سمجھتی۔ سب ایسی ہی ہوا کریں تو بہوؤں کا گذر ہی نہ ہو۔

ساس۔ مجھ جیسی ساس چراغ لیکر ڈھونڈھو تو نہ ملے۔ تم ہی آج نرالی بہو تھوڑی آئی ہو۔ دو اور بھی بیٹھی ہیں۔ تمہاری زبان کا تو سارے شہر میں ڈنکا بج رہا ہے جس سے

چاہے پوچھ لو ہمیں تو بات کا پاس ہے اور لاڈ کی لاج۔ ہر طرح بھرنا پڑے گا خدا دو سینگ دیدے تو بھگتنے ہی پڑیں گے۔

ساس کے منہ سے اتنا نکلنا تھا ہو تو آپے سے باہر ہو گئی۔ ایک بات ہو تو کہی جائے ایک گستاخی ہو تو دہرائی جائے جو جو منہ میں آیا سب ہی کہہ ڈالا۔ یہ بھی نہیں کہ دو چار منٹ بلکہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ۔ دریا بہہ رہا تھا کہیں کا ڈہی نہ تھا ساس بیچاری خود تو کیا ایسی لڑی ہونگی کبھی عمر بھر ایسی لڑائی دیکھی بھی نہ ہو گی تسبیح پڑھنی مشکل ہو گئی اور تو کچھ بن نہ آئی جا نماز اٹھا کمرے میں روتی ہوئی چلی گئیں۔

عصر کے بعد بلند اقبال دفتر سے آئے روزے نے تیلا حال کر رکھا تھا ہونٹ خشک پپیڑیاں بندھی ہوئی۔ چہرہ اترا ہوا اوسان بگڑے ہوئے آتے ہی پلنگ پر لیٹ گیا۔ بہن سے پوچھا اماں کہاں ہیں؟ کمبخت منہ ہی منہ میں کچھ کہکر چپکی ہو گئی۔ بھائی نے تین دفعہ پوچھا اور بہن نے ہر دفعہ جواب دیا مگر ایسا ناک میں کہ خاک سمجھ میں نہ آیا۔ چوتھی دفعہ چیخ کر پوچھا ذرا سمجھا کر کہو۔ تین دفعہ کہا اور میری سمجھ میں ایک دفعہ نہ آیا۔

سائرہ اپنے کمرے میں بیٹھی مہندی لگا رہی تھی اب تو خدا ہی جانے کہ پہلے ارادہ تھا یا اب پیدا ہوا) مہندی چھوڑ پیالہ پھینک ننگے سر ننگے پاؤں باہر آ کھڑی ہوئی بہت کچھ جواب بنایا چاہتی تھی کہ بھاوج کی شکل دیکھکر خون خشک ہو گیا۔ بھائی نے پھر پوچھا مگر چپکی بیٹھی رہی۔ سائرہ بولی۔

بی کہاں اندر ہیں اور کہاں ہوں گی ان کے تو سر پر جن سوار ہے اتنا کہا سنا اور پھر بھی کلیجہ میں ٹھنڈک نہ پڑی۔

میاں۔ کس بات پر ناراض ہو گئیں۔

بیوی۔ وہ سدا کی ناراض ہیں آج کو ہی چٹیہ کھینچنے ہتوڑی سے لگے ہیں وہ ایک

دفعہ ناراض ہوئی ہیں کبھی خفا ہوئیں مگر میں ایسی ناراضگیوں کی پروا نہیں کیا کرتی ناراض ہوں تو بلا سے خفا ہوں تو صدقے سے۔

میاں - ہائیں ہائیں ذرا زبان کو روکو۔

بیوی - بس مجھکو معاف کرو۔ اماں کی زبان نہیں کوئی جاتی۔ مجھکو منع کرتے ہو۔ تالی دونو ہاتھ سے بجتی ہے۔ میرا اکیلی کا قصور ہو تو کوئی قائل کرے۔

میاں - اچھا تم اپنے کمرے میں جاکر بیٹھو۔

بیوی - کمرے میں کیوں بٹھاتے ہو گھر ہی سے نکالدو کہ کہیں کے چل جائیں انکی تو یہ مراد ہی ہے۔ دن رات سر ہوتی تو آدمی کب تک بولیگا ایک بہانہ چاہیئے پھر کرو وہ کرو۔ کبھی آج تک کسی بیمار کو روزہ رکھتے سنا ہی ہے۔ مگر وہ تو میری جان کے پیچھے پڑی ہیں کسی طرح کل کی مرتی آج ہی مرجائے۔

میاں - بس بس جاؤ اپنا کام کرو۔

بیوی - لے واہ واہ میاں ان دھمکیوں میں کوئی نہیں آتا ان ہی پر جاکر حکومت جتاؤ۔ میری پاپوش بھی یہ اغماض نہیں اٹھاتی ہیں کسی کی نوکر نہیں نہ ماما نہیں لونڈی نہیں باندی نہیں، مزاج اٹھائیں تو اٹھائیں اماں نہیں۔

میاں کیوں باتیں بناتی ہو اگر میرے منہ سے کچھ نکل گیا تو روزہ کا تمام ہو گا تمکو رہنا ہو تو سیدھی طرح رہو نہیں چلی جاؤ! میں ہی چلا جاتا ہوں۔

روزے کی خوشی میں افطار کی تیاری بچوں نے دوپہری سے شروع کردی تھی۔ پھلکیوں کا بیسن پیالوں کا آٹا پتے پیری مرچیں۔ گڑ۔ تیل۔ گھی سب سامان ہوگیا تھا عصر کے بعد کڑھائی کی تجویز تھی۔ بہو بیگم کی عنایت سے سب مٹی ہوگیا۔ کھانا بھی صرف اس وجہ سے تیار ہو گیا کہ ماماؤں نے جو کچھ سمجھ میں آیا کرا لیا ساس بیچاری پر تو کچھ ایسی ندامت سوار ہوئی کہ اسوقت کی گئی کوٹھری کی کنڈی جو بند کی

لگا کر بیٹھیں تو مغرب کی اذان سُنکر باہر آئیں پانی کا ایک گھونٹ پی روزہ کھول پھر
اندر جا لیٹیں۔ کھانے کے واسطے سب ہی نے منتیں کیں۔ سائرہ کے سوا سات گھر ہی
نے ہاتھ جوڑے مگر کچھ ایسا غصہ چڑھا کہ نہ کھانے کو ہاتھ لگایا نہ باہر آئیں۔

اُن کے کھانا نہ کھانے سے تمام گھر کو کھانا حرام ہو گیا بچے تک بھوکے سو گئے۔ منجھلی
بہو نے دولہا دلہن کا کھانا نکال لکڑی کے ہاں بھیج دیا۔ عابد بے شک تھا بالکل نہیں تھا کہ آٹھ
آٹھ برس کے بچے کل شام کا کھانا کھائے ہوئے بھوکے پڑے ہیں اور وہ بیوی کے ساتھ
بیٹھکر ٹھونس لے۔

سائرہ دسترخوان بچھا کھانے بیٹھیں ایک ہی نوالہ کھایا تھا کہ کچھ خیال آیا
میاں سے کہنے لگیں کھاتے ہو تو کھاؤ نہیں تو میں تمہارے کھانے کی بھوکی نہیں ہوں۔
میاں نے کچھ جواب نہ دیا۔ بیوی نے روٹیاں لپیٹ دسترخوان اُٹھا چھینکے پر رکھ دیا
ماما سے تین پیسہ کا دودھ منگوا پی سو رہیں۔

عابد کی ماں پہلے ہی آئے دن کی بیمار تھیں۔ بیٹی کی موت نے اور بھی ادھ موا کر
دیا تھا۔ ہڈیاں ہی ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔ بہو کی زبان درازی نے بالکل ہی بٹھا دیا
اوپر روزے کی نقاہت اُدھر بیٹھا یہ وہاں کا اَڑ کر دانہ منہ میں گیا نہیں رات کو اس
غضب کا بخار چڑھا کہ سرسام تک نوبت پہنچ گئی۔ سب پریشان ہو گئے۔ مگر واہ بی سائرہ۔
رات بھر ڈاکٹر اور حکیم آئے گئے لیکن اس کو خبر بھی نہیں ہوئی۔ زندگی تھی جو بچ گئیں
ورنہ مایوس تو سب ہی ہو چکے تھے۔ بخار تو جاتا رہا مگر کمزوری اتنی زیادہ ہو گئی کہ ذرا
کھڑی ہوئیں اور چکر آئے۔

خانہ داری کے جھگڑے اور گھروں کے دھندے جس کام کو ہاتھ نہ لگے وہی چوپٹ
جو چیز ماماؤں پر چھوڑ دی اُسی کا ناس۔ بہوئیں اور بھی تھیں اور بہت عقلمند منتظم سلیقہ شعار
سگھڑ فرمانبردار۔ مگر جس کا کام ہو وہی خوب انجام دے سکتا ہے۔ سب سے بڑی دقت یہ آن پڑی

جٹھانیوں کی ردوکد تھی وہ کہے یوں وہ کہے یوں ایک آگ ایک ہوا۔ وہ اس سے سوا، وہ اس سے سوا۔ غرض دس پندرہ روز تک ایسی خاک اڑی ہی کہ گھربانا ایک معلوم ہوتا تھا۔ باورچی خانہ کو جاکر دیکھو تو بالکل بھٹیار خانہ پتیلیاں ایک طرف پڑی جھک مار رہی ہیں۔ لوٹے دوسری طرف پڑے لڑھک رہے ہیں سینیوں پر مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ صافیاں چکٹ دسترخوان چوپٹ۔ جو چیز ہو وہ بے ڈھنگی اور جو کام ہو وہ بے قرینے۔

ذرا چلنے پھرنے کی طاقت آئی تو سب چیزوں کا ٹھیک ٹھاک کیا ان جھمیلے سے فرصت ہوئی تو بہو کا زچہ خانہ سر پر چلا آرہا تھا۔ سائرہ کی خوش قسمتی سے پہلوٹھی کا بچہ اور پہلا زچہ خانہ تھا ہر قسم کے افکار سے آزاد تھی، مگر نہ بھی ہوتا تو سائرہ کچھ کرنے والی بندی نہ تھی۔ سارا فکر ساس ہی بیچاری کے سر پر تھا۔ دقت یہ تھی کہ بنگاہ کمزور کئی دفعہ تھالے پوتڑے لیکر بیٹھیں مگر ٹانکا ہی نہ دکھائی دیا۔ کہیں چھوٹی بہو کی خوشامد کی کہیں منجھلی سے کہا۔ چھیلیوں کا موٹا کام تھا ڈورے آپ ڈالے غرض وقت سے یا مصیبت سے کرنا سب پڑا۔

(۲۶)

چھالیہ گھر کے خرچ کی اکھٹی آجایا کرتی تھی۔ بہوؤں کی پٹاریاں الگ تھیں علیحدہ علیحدہ مل جاتی تھی۔ اب کے چھالیہ پندرہ سیر زچہ خانہ کی پانچ سیر گھر کی اکھٹی ہی سیر آئی۔ بوری کی بوری۔ یوں کی یوں ہی سلی ہوئی رکھی تھی۔ منجھلی کے پاس چھالیہ ہو چکی۔ ساس سے کہا اماں جان مجھکو چھالیہ دے دیجئے۔ سائرہ سامنے بیٹھی ہوئی تھی ساس نے کہا چھوٹی دلہن بیٹی ذرا اتنا کام کرو ڈیڑھ ڈیڑھ سیر دونوں جٹھانیوں کو نیم سیر بھر میرے ہاں کھوا دو۔ باقی تول کر تھوڑی تھوڑی کترتے دیدو۔

سائرہ نے اس وقت ساس کے حال پر بڑی عنایت کی کہ تعمیل کردیا کہ بڑی کہنی

اس کے مزاج سے بعید نہ تھا کہ وہ ساس کو ٹھکرا تو نہ کر جا اپنے جہیز کی ماماؤں سے پکڑوا
کر بوری اپنے کمرے میں لے گئی۔ ترازو بٹ منگوا چھالیہ تولنے لگی سوا سوا سیر اُن
دونوں کی تولی تین پاؤ ساس کی تول ماما کے ہاتھ بھجوادی بڑی تو سیدھی تھی لیکر رکھ لی۔
مگر منجھلی ایک چلتا پرزہ ماما سے بولی یہ تو قیامت تک بھی ڈیڑھ سیر نہیں ہے۔ ہاتھ نیچے پڑے
ہیں شرط یہی ہے جو یہ چھالیہ ڈیڑھ سیر ہو چھوٹی دلہن بولی یہ چھالیہ کتنی بھیجی ہے۔
سائرہ۔ ڈیڑھ سیر بھیجی ہے اور کتنی بھیجی۔ اعتبار نہ تھا تو تلوائی کیوں تھی بوری
پڑی ہے منگوا لو۔ لال تھوڑی لگے ہیں جو میں نے توڑ لیئے۔
برابر کا رشتہ برابر کا جوڑ ہی جیسی بیہودہ ویسی ہی وہ منجھلی وہ چھوٹی وہ ایک سے
ایک بڑھی ایک سے ایک چڑھی۔ نہ بہو نہ بیٹی ساس ہیں۔ منجھلی کو بننے کی وجہ
کیا اور ضرورت کیا ماما سے کہا ترازو اٹھا لا۔ ماما کا ترازو مانگنا تھا کہ سائرہ جامے سے
باہر ہو گئی ماما ترازو اٹھا کر لائی اُدھر اس نے بکنا شروع کیا مگر خدا کا شکر تھا کہ
کمرے ہی میں بیٹھے بیٹھے باہر نہیں آئی — نہیں تو پوری ہی جنگ ہو جاتی ساس
بیٹھی بیٹھی میں عتاب بھری تھیں کچھ دیر تو چپکی بیٹھی رہیں مگر جب دیکھا کہ اب ان دونوں
کی بڑھی تو اٹھیں چھالیہ دیکھتے ہی بھانپ گئیں کہ کم ہے مگر اُن کا کام شر مٹانا تھا
نہ کہ بڑھانا۔ انکو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر کہیں ان دونوں کی ہو پڑی تو مزاج دونوں کا کسی سے گندا ہے
نہ وہ اس کا لحاظ کرے گی نہ یہ اس کا پھر لڑائی میں پھول پان تھوڑی بٹتے ہیں
جو اس کے منہ میں آئیگا وہ کہیگی جو اس کی زبان پر آئیگا وہ سنائیگی مفت کے لیٹے
میں میں آ جاؤنگی۔ چھوٹی بولیں بڑی۔ منجھلی کو سچا بتاتی ہوں تو چھوٹی کچا کھا جائے گی
چھوٹی کی حمایت لیتی ہوں تو منجھلی سمجھے پہلے منجھلا اور پھر منجھلی دو نوجوان کو آجا دیکھیں گی
اور منجھلی کیا اور منجھلا کیا چھوٹی کیا اور چھوٹا کیا جو سنے گا وہ کہیگا۔ یہ بڑھی بوڑھی سر پر
بیٹھی کیا کر رہی تھیں جو لگے دیکر منہ سے نہ بولے لڑائی کی تیاری تو دیوانی چھوٹا نہ کیا

ہوئی اور ساس بیچاری کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ چھوٹی سے تو بات ہی کرتے ڈرتی تھیں منجھلی سے کہنے لگیں۔

منجھلی بہو بیٹی تو کیا دو چار ڈلیوں کے واسطے جھگڑا کیا میرے ہاں سے لے لو موٹی چھالیہ ہے۔ جان آدم تھوڑی ہے۔

منجھلی۔ اماں جان چھالیہ کا خیال نہیں ہے وہ اور پاؤ سیر لے لیں یہ تو باتوں کی بات ہے۔ ایک تو کم دیں اوپر سے جھوٹ بولیں۔ دیکھئے سوا سیر کی تو نہیں ہے یہ سیر سے اور کچھ پونے سیر اب بھی اٹھ رہی ہے۔ یہ میرا ڈکھتا چھٹانک بھر کا ہے اتنی اور کم ہے دیکھ لیجئے کیا کیا کہتی ہیں میرے باوا دادا کیوں چور ہونے لگے جن کے ہاں چور رہتے ہیں وہ قدر جانتے ہیں

ساس۔ منجھلی دلہن خدا کے لئے تم ہی چپکی رہو وہ کہتی ہے کہنے دو تم بڑی ہو در گزر کرو۔

منجھلی۔ بھلا جناب آپ مجھ ہی کو دباتی ہیں میں نے ایک بات بھی بیجا کہی ہو تو بتا دیجئے وہ چھوٹی ہو کر دیکھئے کیا کیا کہہ رہی ہیں۔

سائرہ۔ ہاں ہاں میں کیا کہتے ہوئے ڈرتی ہوں تمہارے ہاں سب چور بھرے پڑے ہیں جبھی تم آپ ہو لیا ہی اوروں کو سمجھتی ہو بھائی نصیر کے ہاں چھٹی میں تائی جی کی پہونچیاں تمہاری ہی ممانی کے پاس سے نکلیں نہیں نکلیں۔

منجھلی۔ او بی اے ستو میری ممانی کیا اور بھائی نصیر کیا وہ تو بیچاری جب ان سے راضی ہوئی تھیں قسم لے لو جو گھر سے باہر قدم بھی نکالا ہو۔

سائرہ۔ جانے میری جوتی لیں یا نہیں لیں پر ہی تمہاری رشتہ کی بھی تو ہے

رحیما۔ اے ہے بی بی ڈر خدا سے میں نے کس وقت کہا ہے

سائرہ۔ اب گھر کے کی آگ لگی ہوا بھی نہیں ہے

ساس۔ منجھلی خدا کے واسطے مجھ پر رحم کرو۔

سائرہ کی زبان تو انسان کیا فرشتوں کے بھی بس کی نہ تھی۔ منجھلی بہو کو سمجھا بجھا کر ساس دوسرے دالان میں لے گئیں۔ سائرہ کے منہ میں جو کچھ آیا کہتی رہی۔

(۲۷)

دوپہر کو یہ واقعہ ہوا چار بجے سائرہ کو درد لگے۔ ساس نے اسی وقت شاکرہ کو ڈولی بھیجی گھر کی درستی کی ضروری چیزوں کا انتظام کیا۔ بھائی کو بھیجکر دائی کو بلوایا اس معاملے میں سائرہ نصیبے کی بڑی سکندر۔ رہی دوسرے ہی حملہ میں بیڑا پار ہو گیا عابد کمرے میں لیٹا تھا کہ بڑی بھاوج نے آکر کہا دولہا میاں بیٹا مبارک گھر بھر میں مبارک سلامت ہونے لگی۔ دادی کی باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ نانی جامے میں پھولی نہ سماتی تھیں۔ چچیوں کے دل میں چاہے جو کچھ ہو ظاہر میں تو دونوں ہنستی پھرتی تھیں۔ جمعہ کو لڑکا ہوا عابدہ کی چھٹی ہوئی اور خوب دھوم سے ہوئی دادی نے جو کچھ کیا اپنی غرض کو کیا اپنے نام کو کیا تین لڑکوں میں ایک پوتا جو کچھ نہ کرتیں وہ تھوڑا تھا ہمت کی جوت تھی روپیہ بھی تھا ارمان بھی۔ ناچ رنگ کے علاوہ سب ہی کچھ ہوا۔ شاکرہ کے زیادہ اصرار سے میراثنیں بھی آئیں مگر دو چار زچہ گیریاں گا کر چلی گئیں۔

اس میں شک نہیں کہ سائرہ کی ساس نے دل کھولکر خرچ کیا پیسہ کی جگہ چار اٹھائے جو بہو کے منہ سے نکلا وہی کیا سچ پوچھو تو روپیہ ٹھیکری کر دیا کہ کسی طرح اس کا دل میلا نہ ہو مولوی صاحب کا گھر جس پر ناچ گانا کیسا فقیر تک کی اتنی مجال نہ تھی کہ دروازے پر بھیک مانگ لیتا۔ بہو کی خاطر تھی کہ ڈومنیوں تک کی اجازت دیدی۔ رات بھر نہ سہی آدھی گھنٹہ بہت نہ سہی ایک ہی گیت سہی مگر بہو کا دل تو رکھ لیا۔ یہ بھی نہیں کہ دو چار آنے دے کر رخصت کر دیا ہو۔ پورے پانچ روپے دیئے کہ سمدھیانے کی ڈومنی پہلے پہل آئی ہے ایسا نہ ہو بہو کی بات نیچی ہو جائے۔ مگر تقدیر کی بدنامی کہاں جاتی بہو نے سب کیا کرایا دم بھر میں مٹی کر دیا۔ ساس نے کھانے بھرت کی تھیلی نیچے رکھی، آپ دوسرے کام میں لگ گئیں۔ حمانی عقلمند

سالن کی رکابی میں کھانے نکال لائیں کھانوں میں سالن لگ گیا اوپر اوپر سے اوروں کو دئیے نیچے کے زچہ کے آگے رکھے۔

سائرہ کا ایک کھانا منہ میں ڈالنا تھا کہ ہائے مار ڈالا کے نعرے شروع ہو گئے ساس اور جٹھانیاں سب گھبرا کر آ کھڑے ہوئے۔ سائرہ تو اپنے فیلوں میں ہی مگن تھی ساس بیچاری کی جان کو آ گئیں۔

سائرہ سوچا یہ تھا کہ زچہ خانے ہی میں جائیگی وہ تو مراد پوری ہوئی تھیں اب یہ ترکیب سوچی کہ کھانوں میں مرچیں ملا دوں۔

ساس۔ بیٹی میں تو بگھارنے کی گنہگار ہوں۔ تمہاری معافی سالن کی رکابی میں نکال لائیں رکابی دیکھ لو سالن میں لتھڑی ہوئی ہے یا نہیں۔

سائرہ میں ایسی باتیں خوب سمجھتی ہوں کسی اور کو بہکانا جان کر مرچیں دی ہیں کہ پھٹکا نہ کھائے۔

ساس خیر اگر میں نے جان کر دی ہوں گی تو اللہ میرے آگے لائے گا میری قبر میں آئیگا۔ میرے حشر میں آئیگا تم کو تو کیا کہوں۔

بہو۔ بس یقین آ گیا منہ سے کہنے کو لاؤ ہم جو کچھ کہہ لیں ہوتا کیا ہے۔

ساس۔ اچھا ہوگی جو تیرے منہ میں آئے کہے جا خدا کی شان ہے کرے کوئی بھرے کوئی، کام کسی کا نام کسی کا۔

سائرہ کے حالات میں یہ واردات ایک معمولی بات تھی۔ ساس بیچاری یوں ہی پھونک پھونک کر قدم رکھ رہی تھیں کہ ایسا نہ ہو کوئی بات بہو کے خلاف ہو جائے مگر جو اندیشہ تھا وہی آگے آیا۔ غصہ تو بہت آیا تھا مگر سمجھدار آدمی تھیں سوچا کہ اگر بولتی ہوں تو تمام دنیا جہاں میں تھڑی تھڑی ہوگی کہ گھر پر بلا کر ذلیل کیا مجبوراً بات کو پی خاموش ہو گئیں۔

شاکرہ بیٹی کے ہاں آئی تو بہی نواسے کو دیکھکر دل بھی خوش ہوا مگر سمدھن سے کچھ الگ الگ ہی رہی۔ آئی تو رکی رکی رہی تو اُکھڑی اُکھڑی گئی تو چپکی چپکی۔

سائرہ کا مزاج تو آج کیا، آج سے چھ مہینے پہلے کیا اور چھ برس پہلے کیا ہمیشہ ہی سے نوشہ علی نور تھا۔ بیٹا کیا جنا کہ تمام دنیا پر احسان کر ڈالا۔ پہلے سے کچھ تو اتنا غنیمت تھا کہ کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی بات میں من بھر قصور ہوتا تو رتی بھر سمجھ لیتی اب وہ بھی نہ رہا۔ ساس کا خوف، میاں کا لحاظ، جٹھانیوں کی شرم سب کو بالائے طاق رکھا۔ ابتدا میں تو جٹھانیوں نے تھوڑا بہت مقابلہ کیا بھی مگر بچھڑا اصل میں کھونٹے کے بل کودتا ہے۔ مقابلہ کیا تو ساس کے بھروسے پر۔ جب یہ دیکھا کہ خود ساس ہی نے اطاعت قبول کر لی تو وہ دونوں بھی زیر ہو گئیں۔ غرض گھر بھر میں سائرہ ہی سائرہ تھی جو کہتی سب سنتے اور جو کرتی سب دیکھتے

بیاہی آئی تو گھر ملا جب تک دلہن رہی کمرے میں ہی بیٹھ رہی تو دالانوں تک آنے لگی۔ بچہ ہوا تو باورچی خانہ تک نوبت پہنچی۔ غرض برس کے اندر ہی اندر تمام گھر پر چھا گئی۔

خدا کی دین ہے فقط عمر کا امتیاز تو ضرور تھا ورنہ بہو ساس معلوم ہوتی تھیں اور ساس بہو بھی نہیں ملا۔ دیورانی جٹھانیاں گو الگ الگ گھر کی بیٹیاں تھیں مگر دونوں کی خصلتیں کچھ ایسی یکساں واقع ہوئی تھیں کہ سگی بہنوں کو بھی مات کیا تھا۔ مزاج کی بری تو نہ تھیں مگر شگفتہ کم تھیں نرم تھیں۔ لیکن فرمانبردار جو ساس نے ہاتھ اٹھا کر دیا وہ سر جھکا کر لے لیا۔ اچھی چیز کی خواہش کی نہ بری چیز پر نام رکھا۔ جو آ گیا وہ لے لیا جو پک گیا وہ کھا لیا۔

سائرہ اگر کہیں اپنی اطاعت و خدمت سے ساس کے دل میں گھر کر لیتی تو اس کا مطلق کلام نہیں لالوں کی لال گھر بار کی مختار جیتے جی کی مالک بیاہ کرتی چاہیے

سفید ، مالک سے کم تو اب بھی نہ تھی ، مگر بے عزتی ہے اور بے تمیزی ہے ۔ الا سالن بگھار کر
بے مصالحہ لیا اور روٹی کھالی ۔ چاول دم پر ہیں نکالے اور کھانے بیٹھ گئی ۔ کوئی
کہنے والا نہ سننے والا کہیں نہ کہیں ساس کہیں اُن کا یہ حال تھا کہ سامنے بیٹھی جلتی
تھیں لیکن اتنی مجال نہ تھی کہ کچھ کہہ سکیں ، نانائیں تو کس گنتی میں تھیں ۔

(۳۸)

سائرہ کی بڑی جیٹھانی بارہ برس کی بیاہی ہوئی تھی مگر کچھ ایسی تقدیر کی ہیٹی
اور نصیبے کی ہیٹی کہ بیٹا ہوا نہ بیٹی ، ہزاروں ہی جتن کئے مگر سب بیکار ، بیسیوں قصدیں
سینکڑوں ماہ بچین تعویذ اور گنڈے دیا اور درست مگر ایک میں بھی کامیابی نہ ہوئی ۔
جس دن سے بھتیجا پیدا ہوا بچے پر جان نثار کرنے لگی ۔ بچہ بھی کچھ ایسی پہچان گیا تھا
کہ کیا ہی بلک بلک ہو جہاں وہ لیکر کھڑی ہوئی کندھے سے لگا اور سو گیا ۔ دودھ
تو مجبوری تھی ورنہ دن بھر وہ تھی اور بچہ ، سائرہ فقط نام کی ماں تھی ورنہ ماں کا زیادہ
تر کام وہی کرتی تھی ۔

ماں باپ ہی خوب جان سکتے ہیں کہ بچے کس مصیبت سے پالے جاتے ہیں
راتوں کی میٹھی نیندیں دنوں کا چین آرام لیٹنا اٹھنا کھانا پینا آنا جانا سب قربان
کر دینا پڑتا ہے جب وہ ننھی سی جان جان نظر آتی ہے ۔ آئے دن کی بیماریاں ہر وقت کی
ضدیں رونا بلکنا چیخنا مچلنا ۔ بعض اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ اپنے عیش و آرام میں بچوں
کو خلل نہیں ڈالنے دیتے چھوڑ دیا وہ تھپڑ مار دیے چیخ چلا کر چپ ہو گیا ایسے بچے جنگل کے
خودرو پھولوں کی طرح پرورش پاتے ہیں لیکن یہ عجیب خدا کی قدرت ہے ۔ جتنا زیادہ
بچوں کا لاڈ پیار ہوتا ہے بیماری اور تکلیف جتنی لاڈ گہیرتے اتنا ہی کم بہتیرے کے
اور جنکی کوئی بات نہ پوچھے وہ بیٹھے کے موٹے تازے ۔ سر میں درد
بھی نہ ہو ۔

اس بچے پر ماں سے زیادہ باپ دریاپ سے بڑھ کر دادی اور چچی داری اور قربان تھے لیکن بڑی بہو کی صریح ناتجربہ کاری تھی کہ پرائے بچہ پر جان چھڑکی اور بڑی بنی جو خدمت اس نے کی سائرہ اگر سو روپیہ مہینہ دیتی تو ایسا خدمت گزار نہ ملتا نتیجہ یہ ملا کہ جٹھانی کے میکے میں ایک شادی پیش آئی یہاں بھی سب کے بلاوے آئے ساس تو کہیں آتی تھیں نہ جاتی۔ سائرہ سے ہر چند کہا بیٹی دن بھر کے واسطے چلی جا جٹھانی بھی خوش ہو جائیگی بات بھی رہ جائیگی، وہ ابھی تمہاری چھٹی میں ہو گئی ہیں تم کچھ کرو گی انکو بلانا جب تم جاؤ گی تو لوگ آئیں گے۔ اللہ رکھے کل کو دودھ بڑھاؤ گی تم کسی کے ہاں نہ جاؤ گی تو تمہارے ہاں کون آئیگا۔

ساس نے بہتیرا کہا مگر وہ ایک ضدن عورت جو منہ سے نکل گیا وہ پتھر کی لکیر ہرگز حامی نہ بھری بڑی اور منجھلی دونو دیورانیاں جٹھانیاں چلی گئیں۔ سائرہ نے ساس کے منع کرتے کرتے نہا لیا شام سر ہو گیا بچہ چڑ رو رہا تھا ساس نماز پڑھنے لگیں ماں نے بال بھی نہ نچوڑے۔ یوں ہی دودھ پلا دیا۔ بچہ تھا نیند میں دودھ منہ میں لیتے ہی سو رہا۔

جٹھانی گئی تو سہی مگر دن بھر دل بچہ میں پڑا رہا۔ بڑی مشکل سے دن کاٹا شام ہوئی تو ڈولی منگوا سسرال آنے لگی۔ ماں نے کہا بیٹی! عقل جاتی رہی ہے شادی میں آئی ہو یا آگ لینے۔ دور دور کے لوگ تو رات بھر میں تم کو سگی بہو بھی ہو کر جاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ ایسا جانا تھا تو آئی کیوں تھیں۔

بیٹی اماں میں رات کو وہ کر کیا کرونگی بسم اللہ ہو گئی تھی ہو چکی ایسا ہی ہے تو میں صبح کو پھر آ جاؤں گی۔

ماں اٹھ کر کسی اور کام کو چلی گئیں دیورانیاں جٹھانیاں ڈولیاں منگوا گھر پہنچیں۔ منجھلی اُتر کر اپنے کمرے میں گئی۔ بڑی بیتاب ہو کر سائرہ کے کمرے سے بچے کو اٹھا لائی تھی

ہوئی لے آئی۔ گود میں لٹا کر ساس سے باتیں کرنے لگی۔ بچہ پڑا سوتا تھا۔ دو چھینکیں آئیں
ہوں ہوں کرنے لگا ساس نے اٹھا کر دیکھا تو پنڈا گرم تھا۔ کہنے لگیں بڑی دلہن اسکو
بخار چڑھ رہا ہے۔ سردی لگ ہی گئی۔ رضائی اڑھا لو۔ بہو نے رضائی اڑھا دی۔ بچے کو
تو اس غضب کا بخار چڑھا کہ ہاتھ نہ رکھا جائے۔ سائرہ کی عقلمندی تھی کہ بال سکھانے
کیسے نچوڑے تک کے نہیں اور دودھ پلا دیا۔ بچہ کو زکام ہوا زکام کے ساتھ بخار اور
بخار کے ساتھ سانس۔ بہتیرا ہشیار کیا آوازیں دیں دودھ دیا مگر وہ ایسا لوتھ ہوا
کہ دودھ کو منہ لگایا نہ آنکھ کھولی۔ رات کا وقت سناٹے کا عالم سانس کی آواز
تمام انگنائی میں آ رہی تھی۔ رات تو جوں توں کٹ گئی صبح کو بچہ کا اللہ ہی حافظ تھا۔

چھ سات مہینہ کا پلا پلایا بچہ رات بھر میں ہاتھوں پر آ گیا کتنی کتنی کوششیں کیا
کیا دوائیں کیسی کیسی ترکیبیں مگر سب ہیچ۔ دست کے آنے کے بیسیوں ہی علاج کئے۔ مگر
دست آیا نہ سانس میں تخفیف ہوئی۔ بچے کی یہ نوبت گھر کی یہ کیفیت۔ گھر والو
کی یہ حالت اور سائرہ کو کچھ اور ہی سوجھی۔ بیٹھے بیٹھے خدا جانے کیا خیال آیا روتی
ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ جٹھانی سے کہنے لگی ہائے میں تو خدا تک کے سامنے کہدوں
میرا بچہ بھلا چنگا میرے پاس پڑا سوتا تھا تم اٹھا کر لائیں۔ خبر نہیں کیا کر دیا اور
اب ٹسوے بہانے بیٹھیں۔ لئے مجھے تو ملکر مارا۔

مامتا سائرہ کی سمجھ لو، ورنہ جٹھانی کی کیفیت سائرہ سے بدتر تھی۔ اتنی
بات تو ضرور تھی کہ دودھ نہیں پلایا پیٹ میں نہیں رکھا، مگر خدمت ماں سے کچھ کم نہیں کی
سائرہ پر کچھ بجا گزر رہی ہو مگر بچے کو دیکھ دیکھ کر اس کا بھی کلیجہ نکل رہا تھا دیورانی
کا منہ دیکھ کر چپ کی چپ رہ گئی۔ دل کے ٹکڑے پہلے ہی اڑ رہے تھے۔ سائرہ کی
باتیں سنکر گھونسا سا لگا اور تو کچھ بن نہ آئی۔ روتی ہوئی اٹھی وضو کیا نماز پڑھی اور
رو رو کر دعا مانگنے لگی۔ اٹھی بچے پر دم کیا ساس سے رو کر کہنے لگی اماں جان میرا

شرم تو خدا ہی کے ہاتھ ہے۔ اللہ میرے اوپر رحم کرے۔ چھوٹی دلہن نے تو پھر منہ میرا
تھام لیے ہی دیا۔ ہوتا وہی ہے جو خدا چاہے مگر عقیدہ بھی ایک چیز ہے۔ بچے کو گود میں
لیکر کھٹی میں چاول بھر کستوری ملائی اور زبرکتی دو چمچے حلق میں ڈالے کستوری کا
حلق سے اُترنا تھا کہ کھلکر دست آگیا۔ دست کا آنا تھا کہ بچہ نے آنکھیں کھولدیں
سانس میں کمی شروع ہوئی۔ ماں نے لیکر دودھ لگایا۔ بچہ کو دودھ پیے پندرہ گھنٹے
ہوگئے تھے۔ غٹ غٹ پینے لگا۔ دوپہر تک بخار بھی اُتر گیا سانس کو بھی آرام ہوگیا
اپنے اپنے تعلق کے موجب ہر شخص کو خوشی ہوئی مگر جیٹھانی کی چڑھ بن آئی شام تک
تو ضبط کئے رہی مگر رات کو کہہ ہی دیا۔ چھوٹی دلہن بوا الٰہی تم دودھوں نہاؤ پوتوں
پھلو۔ تمہارے بچے کی ہزاری عمر ہو۔ مجھکو تم نے غیر سمجھکر اتنی بڑی بات کہدی۔ اللہ نے
میری طرف دیکھ لیا۔ خدا تم کو اس کی بہار دیکھنی نصیب کرے۔ ہمارا کیا ہے
دور سے دیکھکر خوش ہو لینگے۔

صائرہ کو تو اپنے کہنے کا مطلق افسوس نہ ہوا مگر ہاں شاکرہ نے بہت معذرت کی
لیکن جیٹھانی کا دل صاف نہ ہوا۔ روتی ہوئی یہ کہکر اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ خالہ جان
اپنے پیٹ کا بچہ ہوتا تو پتہ لگتا۔ ایسا ان کا بچہ اللہ اُن کو نصیب کرے بہت دل
پھٹکیگا۔ آکر دور سے دیکھ لیا کرونگی۔

(۲۹)

بچے کے اچھے ہونے کی خوشی میں رتجگا ہوا۔ پاس پاس کی بیویاں جمع ہوئیں بارہ
بجے رات تک تو سب جاگتے رہے اور پھر بڑی بوڑھیاں پڑ کر سوگئیں لڑکیاں لڑکیاں
جاگتی رہیں۔ رتجگے کا تو نام تھا دنیا بھر کی غیبتیں شروع ہوگئیں۔ میاں کی تابعداری
کا مضمون پیش ہوا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی کارگذاری کا فخریہ اظہار کیا۔
ایک بولیں تو سو گُر کا ایک گُر یہ جانتی ہوں کہ جہاں کوئی ایسی ویسی بات ہوئی

اور میں نے دیکھا کہ اُن کا مزاج بگڑا اُس وقت تو چپ ہو جاؤنگی جو جو اُنکے منہ میں آئے گا
کہے جائینگے جب سمجھونگی کہ اب کہہ چکے اور سہولیت پر آئے پھر جو منہ اوندھا کر پڑونگی جب تک
ہاتھ نہ جڑوا لونگی مجھے تو بات کرنی قسم ہے۔

دوسری۔ ہمارا کام تو بیماری سے نکلتا ہے۔ ذرا میں چپڑ گئی اور میں بیہوش ہوئی۔ خصمے
ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ ایسے ساٹے ہیں کہ پھر چاہے جوتیاں سیدھی کروالو۔

تیسری۔ ہاتھ جڑوائے تو کیا جڑوائے بات تو جب ہے کہ ناک رگڑ واؤ اور خاک اُٹھواؤ

چوتھی۔ ہم تو بھئی اس کمبخت بڑھیا سے تنگ آگئے ہمارا گھر تو جس دن یہ مرگی اُس دن
بھریگا ہر وقت لگا لگا کر ایسا فرنٹ کر دیا ہے کہ بات ہی نہیں پوچھتے۔ مگر میں بھی خدا کی قسم
جب قصہ ملتا ہے ایسا ٹھیک بناتی ہوں کہ دونوں ماں بیٹے منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔

سامرہ۔ بڑھیا کا اجارہ (اجارہ) تھوڑی ہے اپنا میاں ٹھیک ہونا چاہیئے۔ بڑھیا
بھڑیا کی مجال ہے کہ ہوں کر سکے۔ وہی ماں جان ہیں کہ بڑی منجھلی دونو آجتک للو پتو
میں لگی رہتی ہیں۔ پھر دیکھو کیسی مٹی پلید ہے۔ ذرا کوئی بات بے مرضی ہوئی اور سیکڑوں
جوتیاں پڑ گئیں۔ بھلا مجھ سے تو آنکھ ملا لیں۔ خاندان بھر کو الٹ کر رکھدوں اس منجھلی
پر تو خدا کی مار اللہ اس کا منہ کالا کرے ایسی آفت کا پرکالا ہے کہ بات کا بتنگڑ بناتی ہے
جہاں سوئی نہ کھپے وہاں موسل گھسیڑے۔ دن بھر تو بناؤ کرتی رہتی ہے۔ تین تین دفعہ سر
گندھتا ہے صورت نہ شکل بھاڑ میں سے نکل خیر نہیں خوبصورت ہوتی تو کیا غضب ڈھاتی
صبح اٹھی منہ ہاتھ دھویا کنگھی چوٹی کی اور کوٹھے پر چڑھ گئی دن بھر ادھر ٹنگی رہتی ہے کہیں بیچ
کا دروازہ کھول لیگی اور مردوں کو گھورنے بیٹھ جائیگی۔ جب دیکھو کوٹھے پر ہمسائی کے
ہاں گھر میں تو ٹکتی ہی نہیں۔ میاں بدنصیب پردیس میں پوچھو کہ تجھے بناؤ سنگار سے
واسطہ کیا اور عطر پھول سے مطلب کیا تو جو چوتھی کی دلہن بنی رہتی ہے تو کس کے
لئے کئی دفعہ ساس نے منع کیا ہمسائی کا لڑکا جوان ہے وہاں نہ جایا کرو مگر پروا ہی

نہیں اور پھر تابعدار کہلاتی بھلا ہوئی خدا کو دیکھا نہیں عقل سے پہچانا۔ کچھ تو لالچ ہووے
ہی گا۔ جو اپنا گھر چھوڑ بن سنور جا کر گھنٹوں بیٹھتی ہیں بلکہ میں نے تو یہاں تک سنا ہے
کان گنہگار ہیں کہ اس لڑکے سے خوب باتیں ہوتی ہیں۔ یہ جو پھولدار دوپٹہ منگایا ہے
پھر رہی ہیں یہی کا لایا ہوا ہے۔ بے غیرتی تو دیکھو خدا کی قسم بوا غیرت تو چھو نہیں گئی یوں
کہو کہ وہ بیوقوف بھولا بھالا پلّے پڑ گیا ہے جس رنگ نچاتی ہیں ناچتا ہے۔

وہی تیسری بوا برا مانو چاہے بھلا منہ پر آئی بات تو رکتی نہیں تمہاری
منجھلی جٹھانی سدا کی ایسی ہی ہیں۔ میں تو انکو لڑکپنے سے جانتی ہوں۔ میرے
ساتھ کی کھیلی ہوئی ہیں۔ دیوار بیچ گھر تھا۔ بننے سنورنے کا شوق انکو لڑکپنے ہی
سے ہے گھنٹوں بیٹھی بھائی یوسف سے باتیں کیا کرتی تھیں۔ ہمارے ساتھ کھیلنے کا
تو فقط نام تھا کھیلتی ہمیشہ لڑکوں کے ساتھ تھیں۔ گڑیوں کا انکو شوق نہ تھا۔ ہنڈکلیا
میں وہ نہیں شریک ہوتی تھیں۔ ہاں شوق تھا تو کاہے کا آنکھ مچولی کا کوڑی ذخن
(ذقن) کا بھائی چور بنے ہوئے ہیں۔ آپ ڈائی بنی ہوئی ہیں کوڑی ذخن میں جب
ہونگی بھائی کی طرف ہماری آڑی تو ہوئی نہیں کئی دفعہ میری اماں نے منع کیا۔
ایک نہ سنی مجبور ہو کر کھڑکی کو تیغہ کروا دیا جب چین سے بیٹھیں۔

پہلی۔ بڑی ہی کون سی نیک ہیں۔ دنیا بھر کی چھوٹی لپاٹن۔

مسائرہ۔ منہ سے باتیں اتارتی ہیں۔ میرا بس چلے تو خدا کی قسم دونوں کو
ایسی جگہ ماروں جہاں پانی بھی نصیب نہ ہو۔ دونو بہوئیں ایک سے ایک افضل خدا
کی لاٹھی بے آواز تھوڑی ہے۔ دیکھ لو بچے کے واسطے کیا کیا نہ کیا چوہے کا بچہ
بھی نصیب ہوا۔ آگے ناتھ نہ پیچھے پگا۔ صبح شکل دیکھ لو تو دن بھر روٹی نصیب نہ ہو
میں نے تو ایک دن جل کر کہدیا۔ برا مانا کریں۔ جو دیتی ہیں وہ نہ دینگی۔ جب ہوتی تھیں
پھر دم لیا اور بچہ کو اٹھا کر لے گئیں کہدیا کہ بھابی جان صبح ہی صبح۔ خدا کا نام نہ رسول کا

ذکر۔ ذرا تو دن چڑھے آیا کرو۔

دوسری۔ بوا اُن سے بھی زیادہ منحوس تمہاری ساس ہیں سو مڑی بال کی کھال نکالتی ہیں۔ مجال ہے کوئی تنکا تو اِدھر سے اُدھر کرلے۔ یہ نہیں کہ بہوت ہے اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ مگر ایمان کی بات تو یہ ہے کہ فقیروں کو بھی مات کیا۔ وہ تو یہ کہو کہ مولوی صاحب کے دم سے گھر میں اتنی رونق بھی نظر آتی ہے۔ اب تو مولوی صاحب ہیں بھی نہیں ہیں تو جانوں پیسہ کے گھی میں دو ہنڈیاں بھونتی ہوں گی۔

تیسری۔ بیٹی کے غم نے پڑا کر دیا۔ دن پہ دن دبلی ہوتی جاتی ہیں۔ بیچاری ایسی بُری پیچھے پڑی ہے کہ خدا ہی ہے جو بچیں۔

سائرہ۔ خاک دبلی ہوتی جاتی ہیں۔ میں تو جب سے آئی ہوں ویسا ہی دیکھتی ہوں نیل کی فیل تو بنی ہوئی ہیں اور کیا کرینگی۔ یوں کہو جان بوجھکر بیمار وں کی طرح پڑی رہتی ہیں۔ چیرو چار۔ بگھار و پانچ۔ بیٹی ہی سے کون سی بنتی تھی۔ میں نے تو دیکھا نہیں سنتی ہوں، مہینہ بھر کو آتی تھی تو دن رات کی کل کل تھی۔

(۳۰)

سائرہ بیٹی بنی تو ایسی کہ ماں اور باپ دونوں کو اولاد کے ارمان کا مزہ چکھا دیا۔ بہو بنی تو ایسی کہ ساس کو ناک چنے چبوا دیئے۔ بہن تھی تو بھائیوں کی جانی دشمن۔ بھاوج بنی تو نندوں کے خون کی پیاسی۔ میکے میں تھی تو آفت سسرال میں آئی تو مصیبت۔ بیوی بنی تو چھلاوہ۔ دیورانی بنی تو بجلی۔ غرض جو بنی لاجواب بنی۔ مگر ماں بننے میں سب کسر نکل گئی۔ وہی سائرہ جو سرِ شام پڑکر ڈھیر ہو جاتی تھی رات کے بارہ بارہ اور ایک ایک دو دو بجے تک بچے کو لئے پھرتی۔ وہی سائرہ جو بچھونے میں سلوٹ پڑ جاتی تھی تو تیوری پر بل آجاتا تھا۔ بکھرے ہوئے نہال بچے اور لتھڑے ہوئے پوتڑوں میں سو جاتی۔ وہی سائرہ جس کو کبھی بھولکر بھی رحم نہ آتا تھا۔ ذرا سی بچے کی ماندگی میں بد حواس ہو جاتی تھی۔

لاڈلا بچہ میہ والوں کا بچہ پہلونٹی کا بچہ اللہ آمین کا بچہ اس کو بیماری کی کیا کمی
ذراسی بدپرہیزی میں زکام ذراسی بدعنوانی میں کھانسی ذراسی لاپروائی میں
بخار۔ پیدائش سے ہوا بیمار ہی بیمار رہا۔ آج آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ کل ہتھیلی اُتر گئی
پرسوں پیٹ کا بگاڑ ہے۔ دن تو دن ہم تو جانیں کوئی گھنٹہ بھی ایسا نہ جاتا ہوگا۔ جو
اس کی طرف سے اطمینان ہو۔ ماں واری باپ قربان، دادی فدا۔ نانی نثار۔ غرض بچہ
کیا اندر کا تارا تھا۔

ساس نے ایک خاص ماما سائرہ کے کام کاج کے واسطے بہو کے نام کی علیحدہ کر دی
تھی۔ ماما حیثیت کے لحاظ سے تو نوکری تھی مگر عمر کے اعتبار سے سائرہ کی دادی کے
برابر تھی۔ بڑھیا دُم المریض ضرور تھی۔ سو مرضوں کا مرض تو ایک بڑھاپا ہی تھا مگر
کم ہمت نہ تھی۔ جس طرح ہوتا اور جتنا کچھ ہوتا صبح سے شام تک کام ہی میں لگی رہتی
لیکن سائرہ نے پھر بھی اس کا دم ناک میں کر رکھا تھا۔ بڑھیا کھڑ کھڑ بات کرتی مردہ
کھنکار آواز دیتی۔ کیا ہی چاہت توڑ کر کام کرے سائرہ کی سمجھ میں خاک نہ آتا۔ بال
بچوں والی تھی سائرہ کی باتوں کو سُن کر ٹال دیتی۔ منجھلی نے دو ایک دفعہ بہکایا بھی
کہ بڑی بی تم نے ہاتھ بیچے ہیں ذات تھوڑی بیچی ہے کہ چھوڑ چھاڑ گھر بیٹھو۔ لیکن بڑھیا
کو سائرہ اور بچے کی کچھ ایسی محبت ہو گئی تھی کہ جب کہا یہی کہا بیوی جوانی تو اس
در پر کاٹی اب بڑھاپے میں کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں کتنے دن ہیں کٹنے دو۔ پھر تمہی سے برابر
ہیں میں انہیں پالتی۔ اس پیٹ کمبخت کے کارن تو باتیں سننی پڑتی ہیں۔ چھوٹوں بچی کی لوگ کس
بڑے ہوئے لڑکا ہے وہ بالکل ہونی کے کہنے میں ہے پر وہ شکل دیکھ دیکھ کر جی جاتی ہے صورت
دیکھنے کی روادار نہیں۔ پاس کھڑے ہونے کی لاگو نہیں بیمار پڑ جاتی ہوں تو عید ہو جاتی
ہے کہ بلا بیگم اب کس کے دیدے چار کریں۔ دوا ساجھے اس کو اچھا تیمارداری کا ساتھ دیں مر کر چین ہو گئی
مجھ کو بڑھاپے میں ٹھکا لگا دیا کسی طرح یہ پتھر آگے سے اُٹھے تو ایک کونے میں بیٹھ کر اللہ اللہ

کروں۔ روٹی کا دینے والا رازق ہے۔

سائرہ کی اس نالائقی کے بعد جیٹھانی نے لیتا کیسا بچے کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا بچے کی اتفاق سے آنکھیں دکھنے آگئیں اور فدا (خدا) نہ کرے ابھی پھیکا ہو گیا۔ خیال یہ ہوا کہ چچی کا ہڑکا کیا ہے۔ ساس کی صلاح ہوئی کہ سائرہ جیٹھانی سے قصور معاف کروائے مگر سائرہ کس کی سننے والی تھی ٹس سے مس بھی نہ ہوئی بچے کے بلکنے سے جیٹھانی کا بھی دل کٹتا تھا۔ مگر اس کی رائے ٹھیک تھی کہ اس وقت کا صبر کر لینا بہتر ہے آج منہ سے کہا ہے کل جوتیاں مارے گی۔

بڑھیا نہ ہوتی تو سائرہ ایک دفعہ کیا دس دفعہ ہاتھ جوڑتی اور قصور معاف کرواتی مگر بڑھیا سات سات دن اور تمام تمام رات ایک ٹانگ سے پھری کبھی دروازے تک لیکتی کبھی کنڈیاں کھٹکھٹا میں دیں ہوا تھ باہر تک لے گئی رات ہوئی تو کندھے سے لگائے پھری بچہ ہیں چار روز میں پھول پھلا گیا۔

چاہیئے کہ سائرہ جیٹھانی کی کنارہ کشی سے ایک سبق حاصل کرتی مطلق نہیں بڑھیا کی قدر نہ کرتی اپنے لال کا تو خیال کرتی مگر وہی اُٹھتے جوتی اور بیٹھتے لات۔

بڑھیا کو دو روپیہ مہینہ ملتا تھا ایک آدھ روپیہ اور ادھر سے چڑھ جاتا تھا جو کچھ ہاتھ آیا سائرہ کے پاس جمع کروا دیا بڑھیا اتفاق سے بیمار پڑی اور مرنے کے قریب ہو گئی سائرہ سے درخواست کی کہ اس نواسی کو تمہارے سپرد کرتی ہوں اوپر خدا ہے نیچے تم ماموں ممانی یوں ہی اس کے جانی دشمن ہیں اُن کے پلے پڑ گئی تو خدا جانے کیا کچھ نہ کریں میں اسے جیتے جی کلیجے سے لگائے رہی اب تمہارے ہاتھ میں ہاتھ دیتی ہوں۔ اپنے بچے کا صدقہ میری بچی کو اچھی طرح رکھنا پانچ اوپر بیس روپے جمع کئے تمہارے پاس جمع ہیں چار روپے تمہاری ساس کے پاس اس کے وقت پر دے دینا۔

بڑھیا یہ کہکر رخصت ہوئی لڑکی رہنے سہنے لگی سائرہ نے رکھا تو سہی مگر افسوس بہت

ہی کی طرح۔ ذرا ذرا سی بات پر ایسی بیدردی سے مارتی تھی کہ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔

(۳۱)

سائرہ ایک دن دوپہر کے وقت چارپائی پر صحن میں لیٹی تھی لڑکی سے کہا پٹاری اُٹھا لا۔ اور ہاں صندوقچی بھی ساتھ کے ساتھ ہی لیتی آئیو۔ لڑکی آٹھ نہیں نو برس کی ہو گی تین چار سیر کی پٹاری اس پر رکھی ہوئی صندوقچی رستے میں کیچڑ پاؤں پھسلا گر پڑی۔ نیچے صندوقچی اور اوپر پٹاری۔ کتھہ چونہ چھالیا زردہ سب ایک ہو گیا اپنی چوٹ تو بھول گئی۔ سائرہ کے خوف سے خون خشک ہونے لگا۔ سائرہ کیا مساوات کرنیوالی عورت تھی اُٹھی اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک کھپچی نظر آ گئی اُسی سے مارنا شروع کیا کھپچی کے ٹکڑے اُڑ گئے بدن پر دھیاں پڑ گئیں مگر اس نے نہ چھوڑا۔ مجبوراً ساس بولیں بیٹی آگے دیکھ خون تھوڑی کرو انا ہے بس مارچکیں جانے دو۔ ساس کا اتنا کہنا تھا کہ سائرہ نے اور زیادہ مارنا شروع کیا۔ بڑی آئیں دو اپنا سا منہ لیکر چلی گئیں منجھلی آئیں وہ دو چار گھڑکیاں کھا کر سیدھی ہولیں۔ جب کھپچی ہی مارنے کے قابل نہ رہی اور اپنے بھی ہاتھ شل ہو گئے تو لاچار چھوڑنا پڑا۔

ایک ظلم ہو تو تحریر کیا جائے اور ایک ستم ہو تو کہا جائے۔ یہ کڑاکے کے جاڑے ذرا اُٹھنے میں دیر ہوئی اور بھرا کٹورا ڈالدیا۔ گرمی ہو تو دن بھر پنکھا جھلے۔ جاڑا ہو تو دن بھر پاؤں دبائے۔ گیارہ بجے رات تک سونے کا حکم نہیں۔ بارہ بجے تک کھانا نصیب نہیں سائرہ ایک دن نہانے گئی۔ بچہ پڑا سوتا تھا لڑکی کو پاس بٹھا گئی۔ لڑکی نوکر تھی یا ماما تھی لونڈی تھی یا باندی مگر تھی تو بچہ۔ پاخانہ کی حاجت ہوئی اُٹھکر چلی گئی۔ سائرہ آئی تو بچہ اکیلا پڑا تھا۔ لڑکی کو بلاکر ایک ایسا دھکا دیا کہ کمرے کی چوکھٹ پر اوندھے منہ جاکر پڑی تمام کنپٹی لہولہان ہو گئی مگر نہ پٹنے والی کچھ کر سکتی تھی نہ دیکھنے والے کچھ

کہہ سکتے تھے۔ لڑکی منہ دیکھ کر دیوار سے لگ کھڑی ہو گئی۔

(۳۲)

عمریں گذری اور زمانہ اڑا چلا جا رہا ہے۔ کل سائرہ کی چھٹی تھی آج اس کا بچہ ماشاءاللہ پاؤں پاؤں پھر رہا ہے۔ عابد اور معاملات میں کچھ ہی ہو مگر دوراندیشی میں باپ بھی بڑھا ہوا تھا۔ ماں اور بیوی ساس سسر بہن اور بھاوجیں سب ہی نے منع کیا۔ مگر چیچک کا ٹیکا اس نے چلے کے اندر ہی لگوا دیا۔ سرسری طور پر بھی نہیں خاص اہتمام سے ٹیکا لگانے والے کو گھر پر بلوا کر ایک روپیہ نذرانہ دیکر۔ مگر اتفاق کی بات دانہ نہ ابھرا جاڑہ تو خیر گذر گیا مگر گرمی بھر سست پڑ جاتی ہے۔ اکتوبر کا شروع ہوتا تھا کہ پھر عابد نے اسی ٹیکہ لگانیوالے پر تقاضا کیا۔ ٹیکے والا آدمی تھا معقول۔ کچھ انسانیت کچھ سال گذشتہ کی ندامت۔ کہنے لگا مولوی صاحب مہینہ بھر کی مہلت دیجئے نومبر میں تازہ مصالحہ آجائیگا تو ٹیکا لگا دونگا۔

تاریخ مقررہ پر ٹیکا لگایا گیا تیسرے دن سے سائرہ نے سالن دال چھوڑ دیا۔ صرف روٹی اور گڑ کھاتی ہے۔ پانچویں دن عابد نے بیوی سے کہا آج اس کی آستینیں الٹ دو یا کر دو دیکھ لو کہیں پانی بھر گیا ہوگا ایسا نہ ہو پھنس لگ جائے۔ سائرہ نے آستین الٹی ہے تو بازو صاف پڑا ہے دانہ کیسے ٹیکے تک کا نشان نہیں ٹیکے والے کو بلا کر شکایت کی اس نے کہا میں کیا کروں ٹیکے میں چیچک کا مادہ ہی نہیں برابر ہی ڈاکٹر رہتے تھے وہ اتفاق سے آ رہے تھے ٹیکے والے کی تقریر سنکر بحث کرنے لگے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے تھے ممکن نہیں دانہ نہ نکلا ہو مگر ٹیکے والے کی رائے تھی اب اس بچے کا دانہ ابھر ہی نہیں سکتا۔

قصہ مختصر شام کو ڈاکٹر صاحب نے اپنے ہاتھ سے ٹیکا لگایا مگر دانہ نہ ابھرنا تھا اور نہ ابھرا ڈاکٹر صاحب بھی اپنا سا منہ لیکر رہ گئے ایک سال اور گذر گیا۔ جاڑے بھر ٹیکے والے گھر گھر لیے پھرے چیچک پھیلی تھی خلقت

لہ یہ واقعہ پچھلی مرتبہ مصالحہ اچھا نہ تھا ٹیکا لگانیوالا مجبور کیا گیا مگر اس نے کہہ دیا تھا لیا دانہ نہ ابھر سکیگا دو مرتبہ

کی یہ کیفیت کہ ٹیکے والے نے گلی میں قدم رکھا اور گھروں کی کنڈیاں لگائیں۔ وقت منظور پریشانی منظور موت منظور مگر ٹیکہ لگوانا منظور نہیں تیسرے سال جاکر آخر اپریل سے چیچک کا زور شروع ہوا اور اس غضب کا کہ سینکڑوں بچے ضائع ہو گئے۔ جدھر دیکھو ماتم اور جسے دیکھو رخصت۔ بچوں پر ایسا بھاری سال غدر سے پہلے کبھی آیا ہو تو آیا ہو۔ نکلی بھی اس طرح کہ جس گھر میں تین بچے ہیں تو تینوں کے اور چار ہیں تو چاروں کے کیا مصیبت کا زمانہ تھا۔ ادھر دانہ دکھائی دیا ادھر بچہ ختم ہفتہ کے اندر ہی اندر سینکڑوں گھر سنسان اور بیسیوں محلے ویران ہو گئے۔ مرد حیران عورتیں پریشان بھلے چنگے بچوں کو دیکھ دیکھ کر جان نکلی جاتی تھی کہ خدا خیر کرے۔ دن خیر سے پورا ہوا تو رات جاگ کر کاٹی رات اچھی طرح گذری تو دن خدا خدا کر کے گذرا۔ دن ہو رات ہو۔ صبح ہو شام ہو آدھی ہو پچھلا ہو ہر طرف سے رونے ہی کی آوازیں چلی آتی تھیں کیسے کیسے تندرست و توانا بچے ایک چھوڑ دو دو دفعہ کی چیچک نکلی ہوئی تین تین چار چار دن میں چٹ پٹ ہو گئے گورکنوں کی یہ کیفیت تھی کہ روٹی تک کے کھانے کی فرصت نہ ملتی تھی ایک سے فارغ نہیں ہوئے کہ چار اور رکھے ہوئے ہیں ابھی انکی نوبت نہیں آئی کہ دو اور پہنچے۔ مہینے سوا مہینے تک تو بچوں ہی کا نمبر رہا پھر بڑوں کی باری آئی جوان جوان عورتیں دو تین دن بخار رہا ادھر نکلی ادھر رخصت۔ ساٹھ ساٹھ پینسٹھ پینسٹھ برس کے بڈھے پوتا پوتی والے نواسا نواسی والے اسی کی بھینٹ چڑھ گئے چیچک کھسرا موتی جھرا یہی تین چار مرض تھے۔ غرض ہر بہانے موت آئی تھی چیچک کیا ایک آفت ناگہانی تھی محلے کے محلے غارت اور گھر کے گھر اجڑ گئے جسکو دیکھو گریاں اور جسے پوچھو نالاں۔ کوئی ایسا ہی خوش نصیب گھر ہو گا جس میں دو ایک کم نہ ہو گئے ہوں بیسیوں بڈھے سینکڑوں جوان ہزاروں بچے تین تین چار چار دن بیمار رہ کر

مرتبہ دو دانوں کا مصالحہ فوراً ہی پہنچ گیا ایک کا نہ ابھرنا کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے تیسری مرتبہ غالباً مصالحہ کچھ ایسا ہی سا تھا اور اگر سچ پوچھو تو ڈاکٹر صاحب کو ٹیکا لگانا بھی نہ آیا کام بکثرت ہی انکو شاید عمر بھر میں پہلا ہی اتفاق تھا

رخصت ہو گئے۔ نو دس ہفتے میں ایک انقلاب عظیم ہو گیا جو مر گیا وہ مر گیا جو بچ گیا وہ مر گیا
سے بدتر کسی کا باپ گیا کسی کا بھائی گیا۔ کسی کی ماں گئی اور کسی کی بہن عزیزوں سے
عزیز چھوٹے ماں باپ سے اولاد چھوٹی۔ کوئی بیوہ ہوئی کوئی یتیم ہوا چیچک بلا تھی کہ ایک
غضب الٰہی تھا کہ بالکل ہی تباہی آگئی۔ اتنا بڑا غدار شہر بالکل سنسان معلوم ہوتا تھا
دس پانچ آدمیوں کا مجمع میت کے ساتھ تو نظر آجاتا تھا ورنہ رستے ویران اور سڑکیں
سنسان کوئی ایسا ہی ضرورت کا مارا نکل آیا تو نکل آیا۔

دلوں میں ایسا خوف بیٹھ گیا تھا کہ سب کا رو بار چھٹ پڑے تھے ہر وقت موت پیش نظر تھی
سائرہ جیسی کٹر عورت جس نے کبھی بھول کر بھی خدا کو سجدہ نہ کیا ہر وقت اللہ اللہ کیا کرتی
تھی۔ عابد اور سائرہ دونوں میاں بیوی اپنے واسطے چاہے جس قدر خائف ہوں مگر
بچے کی طرف سے دونوں کو اطمینان تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا خدا جانے کس کا کہنا تھا کہ
خطا ہی نہ کر سکتا تھا۔

ذرا امن ہوا تو دل ٹھکانے ہوئے ہوتی شدنی ساس نے ایک دن کہا چھوٹی دلہن
بیٹی اب تو اللہ نے فضل کیا پانی گرم کروا کر ذرا بچے کا پنڈا نہلا دو۔ چار مہینے ہو گئے۔
گردن پر پتھر کے پتھر میل کے جمے ہوئے ہیں۔

تمام عمر میں یہ پہلا کام سمجھو حکم سمجھو تجویز کہو صلاح کہو سائرہ نے ساس کی رائے
اتفاق کیا اور ارشاد کی تعمیل کی وہ کیا کر رہی تھی تقدیر کروا رہی تھی کہنے لگی ہاں
اماں جان سچ کہتی ہو پان کھا لوں تو اٹھ کر نہلاؤں پانی کا تپڑا تو چولھے پر رکھا ہے۔
بچے کو بلا کر کپڑے اتارے نہلا چکی تو اجلے کپڑے پہنائے کنگھی کی سرمہ لگایا پیچ میں ایک
ٹیکا بھی لگا دیا کہ نظر نہ ہو جائے ہنسی کے دم میں تھی بچے سے کہنے لگی۔ جاؤ دادی اماں
کو سلام کرو۔ بچے نے جا کر سلام کیا۔ دادی نے گود میں لیکر پیار کیا۔ لپٹ کر کہنے لگا
دادی اماں نیند لگ رہی ہے۔ دادی نے تکیہ سرہانے رکھدیا لڑکا پڑ کر سو گیا زیادہ

سے زیادہ آدھ گھنٹہ سویا ہوگا ہوں ہوں کرتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔ دادی نے گود میں لیا تو بخار میں ہل ہلا رہا تھا۔

لڑکے کو بخار چڑھنا تھا کہ سب کے دل ہل گئے۔ عابد حکیم کو لینے چلا۔ ماں نے کہا بیٹا ابھی حکیم کو نہ لاؤ۔ دن خراب ہو رہے ہیں ایک آدھ دن دیکھ لو کچھ گھبرانے کی بات نہیں ہے صبح تک انشاء اللہ اُتر جائیگا تم ایک دو آنے کے سچے موتی لا دو میں بچے کو کھلا دوں۔

رات گذر گئی، صبح ہوئی دوپہر ہوئی شام ہوئی غرض تیسرا دن ہو گیا اور بخار نے جنبش تک نہ کی اب سب کو یقین ہو گیا کہ بخار سیتلا کا ہے ایسے ویسے بخار کا تین چار دن کیا کام دوپہر کو چڑھا شام کو نہ اُترا رات کو پسینہ آکر اُتر گیا۔ یہ تھوڑا ہی کہ بچہ نہا کر جو لیٹا تو اٹھا ہی نہ گیا۔ مصیبت یہ کہ کچھ علاج نہیں حکیم یا ڈاکٹر جو کچھ ہیں گھر کی عورتیں یا محلے کی بڑی بوڑھیاں۔ مختلف آدمی مختلف رائیں۔ ایک کہتی ہے دیکھو ہاتھوں میں کیسی بند آ رہی ہے ناک رہتی۔ چھینکیں آ رہی ہیں۔ بخار تو اُسی کا ہے۔ دوسری کہتی ہے نہیں بی اس کا بخار تو چھپا ہی نہیں رہتا فصلی ہے کل تک اتر جائیگا۔

ایک دن ایک رات اور اسی سوادات میں گذر گیا پانچویں دن دیکھا تو تمام جسم لال ہے اور دانوں کا مہین مہین جال بنا ہوا ہے۔ اب دوسرا اختلاف شروع ہوا ایک نے کہا موتیا دوسری نے کہا مسوریا۔ تیسری کی رائے ہوئی تو کھسرا ہے منکا کھیلتی ٹیڑوں کی۔ کل تک دیکھ لینا ہوسی ہی ڈھل جائیگی۔ سائرہ تو بالکل ہی بدحواس تھی ساس نے اتنی دور اندیشی کی کہ آنکھوں کی برنیوں ہونٹوں ناک کے نتھنوں پر کان میں سینے پر سرمہ چھڑک دیا۔ دانے تھے کہ لحظہ بلحظہ بڑھنے شروع ہو گئے۔ خشخاش جیسے تو اسی دن ہو گئے تھے۔ دوسرے دن شام کو تو خاصا مٹر برابر دانہ تھا۔

سائرہ کا ماتھا بچہ کا بخار ہی دیکھ کر ٹھنک گیا تھا دانوں کا دکھائی دینا تھا کہ بالکل ہی ناامید ہو گئی اور دیواروں سے ٹکریں مارنے لگی ماں نے ہر چند سمجھایا ساس نے بہتیری

تسلی دی مگر اس کو سوا رونے کے کوئی اور کام نہ تھا تین دن تک دانوں میں پانی پڑتا رہا لڑکے کی حالت العیاذ باللہ دیکھی نہیں جاتی تھی۔ دن تو خیر کسی نہ کسی طرح گذر جاتا تھا مگر رات تمام آنکھوں میں کٹ جاتی تھی۔ سات دن ہو گئے بچے کے منہ میں اُتر کر دانہ نہیں گیا۔ بچارے پہلے کی کھچڑی کھائے ہوئے تھا۔ دانے بھرے اور خوب بھرے نویں دن جب دانے خوب بھر چکے ہیں رات کو بچہ گھڑی ساعت پڑا گیا۔ سائرہ لڑکے کا نام لے لیکر بیان کرنے لگی عابد چیخ پیٹ تو نہ رہا تھا مگر بچے کو دیکھ دیکھ کر کلیجے کے ٹکڑے اُڑ رہے تھے۔ ادھر دادی اُدھر نانی سب بیٹھے ہوئے تھے۔ رات بھر یہی حالت رہی صبح کو حلال خوری کمانے آئی سائرہ سے کہنے لگی بیگم میں تو کچھ کہہ نہیں سکتی مگر بچوں سے زیادہ کچھ نہیں ماتا کی بھینٹ دو میرا بھائی اس کام کو کرتا ہے ایسا بہت خرچ بھی نہیں ڈیڑھ روپے کی بات ہے نذرانہ الگ بچہ ہوشیار ہو جائے تو یہی

سائرہ۔ اری ہو ڈیڑھ روپے میری تو چاہے جان تک کی بک جائے مگر میرا بچہ بچ جائے۔ ایک بھینٹ کیا میں تو دو چڑھا دوں۔ جا تو ابھی بلا لا۔ پیچھے کمائیو۔

حلالخوری بڑی بیگم سے پوچھ لیجئے ایسا نہ ہو میں لاؤں اور وہ بگڑنے لگیں۔

سائرہ۔ اری یہ پوچھنے کا وقت ہے تو تکرار کرے اور جلدی لیکر آ۔

حلالخوری جا کر بھائی کو لائی سائرہ اٹھ دروازے پر آئی دیکھا سب ہی نے مگر خیال کسی کو بھی نہ ہوا۔ حلالخور نے کہا بیگم صاحب ماتا کی بھینٹ چڑھا دو ایک بکرا منگوا لو سوا روپیہ نقد دو۔ ڈھائی سیر کھیر پکوا لو۔ چاہو چھوٹے مولوی صاحب سے پکوا دو۔ چاہے آپ میرے ساتھ چلکر چڑھا آؤ۔

سائرہ۔ اب اسوقت کھیر پکنے میں تو بڑی دقت ہوگی۔

حلالخور۔ میں اپنے ہاں پکوا لونگا۔

سائرہ نے اسیوقت صندوقچی کھول پانچ روپے مہتر کے حوالے کئے سماں سنکر چپ کی چپ ہو گئیں۔ شام ہوئی ادھر بچے کا سانس چل رہا تھا ادھر سائرہ جانے کے واسطے ہر طرح ڈھونڈ رہی تھی

مانا کہ سائرہ ماں تھی اس کی ماتما تھی جگر تھا کلیجہ تھا سب ہی کچھ تھا لیکن دادی بھی دشمن نہ تھیں۔ من بھر نہیں سیر بھر سیر بھر نہیں چھٹانک بھر کچھ تو پوتے کی محبت ہوگی ہی گی۔ جانور پالتے ہیں۔ اس سے اُنس ہو جاتا ہے وہ تو اپنے لال کا لال تھا۔ دوست تھیں یا دشمن بہو سے تو کچھ نہ بولیں مگر سمدھن سے کہا لو اتم سمجھاؤ۔ یہ کیا بیہودہ پن ہے شاکرہ ڈرتی ڈرتی اٹھی وہ سوچتی ہی رہی کہ کیا کہوں اور کیونکر کہوں جو سائرہ برقع اوڑھ لڑکی کو ساتھ لے مہتر کے پیچھے ہو لی۔

یہ وہی بی سائرہ ہیں جو باپ سے قصور معاف کروانا کسر شان سمجھتی تھیں آج ایک مہتر کی خوشامد اور بچے کے کارن ایمان قربان کر رہی ہیں۔ گلی کے باہر چوراہا تھا مہتر نے لیجا کر سجدہ کروایا دعا منگوائی اور بی سائرہ واپس آگئیں۔

خدا کی قدرت عجیب ہے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ سائرہ چوراہے سے گھر تک بالکل مایوسانہ حالت میں واپس آئی۔ پاؤں اُٹھاتی کہیں تھی پڑتا کہیں تھا۔ دل میں برے برے خیال آرہے تھے لڑکے کی صحت سے اس کو یہانتک ناامیدی ہوئی تھی کہ رستے بھر یہی سوچتی رہی دیکھئے گھر جا کر زندہ بھی پاتی ہوں یا نہیں لڑکھڑاتی ہوئی آئی اور سٹ پٹاتی ہوئی اندر گھسی۔

قدرت میں قیاس کام نہیں کرتا۔ رات ہی کو آگ مرگئی آگ کے مرتے ہی آنکھیں کھولدیں کہنے لگا بھوک لگ رہی ہے۔ سب کی جان میں جان آگئی۔ کھانے کی بہت سی چیزیں پہلے ہی سے رکھ چھوڑی تھیں۔ گڑ کے میٹھے چنے پانچ سات دانے کھا کر منہ پھیر لیا تین چار دن میں دانے بالکل خشک ہو گئے ایڑی اور تلووں کے ذرا ہرے رہے مگر آٹھ دس روز میں وہ بھی مرجھا گئے۔ بیس پچیس روز میں سب پپڑیاں بھی جھڑ گئیں نکلی اس غضب کی تھی کہ آنکھ اور کان حلق اور زبان غرض کہیں ذرا سی جگہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی پپڑیاں کی پپڑیاں بچھی ہوئی تھیں اور چھچے کے چھچے رکھے ہوئے۔ چہرہ تو

تو ضد پوری ہو گیا مگر مرد [illegible] کی قدرت کا دیکھنا کیا بگڑ گیا تو بگڑ گیا جان بچی لاکھوں پائے۔
سائرہ [illegible] کی بچی عورت کے واسطے تو بچے کا اچھا ہونا بھنگی کو کامل سمجھنے کے واسطے کافی تھا۔ چنانچہ کامل اور عامل بلکہ اور دو چار ہاتھ بڑھا ہوا کہہ رہی تھی۔ سائرہ کی تقدیر میں مشرک ہونا تھا ہوئی ایمان جاتا تھا گیا۔ بھنگی کی بات خدا کو کہنی تھی رکھی۔

چاہیے یہ تھا کہ سائرہ اس رحم و عنایت کے بدلے کچھ نہ کرتی درگاہ ایزدی میں سجدۂ شکر بجا لاتی مگر کمبخت کو بھنگی کی خوشامد سے فرصت ہوتی جب۔ دادی کو جو کچھ کرنا تھا کیا۔ ملانے کھلائے نیاز دلائی۔ عابد نے مولود شریف پڑھی۔ شاکرہ نے خدا کا شکر کیا۔

(۴۳)

مولوی صاحب روانگی کے وقت یہ انتظام کر گئے تھے کہ درگاہ کے پیشہ روپے گھر کے خرچ کو کافی ہونگے دو سو روپیہ ششماہی جو زکوۃ آباد کی سرکار سے آتا ہے جمع ہوتا رہے۔ دونوں لڑکے نوکر ہیں ایک چیتکار ہے دوسرا ضلعدار۔ وہ جو کچھ بھیجیں اُن کی بیویاں جانیں اور اوپر کا خرچ جانے۔ سخاوت پور کے بیس روپیہ ماہوار عابد اور سائرہ کو اوپر کے واسطے بہت ہونگے۔

چلنے سے گھڑی بھر پہلے تینوں بہوؤں کو سامنے بٹھا کر آواز کہہ رہا زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ خدا جانے مجھکو تمہاری صورتیں دیکھنی اب نصیب ہوں یا نہ ہوں۔ تنخواہوں کا میں نے یہ انتظام کر دیا۔ سخاوت پور کے روپے میاں عابد اور چھوٹی دلہن کے۔ زکوۃ آباد کی تنخواہ تم تینوں بہن بھائیوں کی دونوں لڑکے اور چھوٹی لڑکی کی جمع ہوتی رہیگی۔ مسجد کے دس روپے منجھلی لڑکی کے۔ تمہارے کان بات ڈال دیتا ہوں۔ خیال رکھنا۔

بچے کے اچھے ہونے کی خوشی میں سائرہ نے ایک شادی کی تجویز کی [illegible]

فقیر جیسی جان کے ساتھ ہزاروں قسم کے خرچ لگے ہوئے ہیں ساس کو ادہر تولڑکے کی بیماری نے زیر بار کیا دوائی ٹھنڈائی نہیں ہوئی تو کیا مہمانوں کی آمد جاند کھانا پینا پان چھالیہ ڈولیوں کا کرایہ نذر نیاز غرض بس جھگڑے تھے ادہر اپنی بیماری ذکوٹہ ابا کی تنخواہ آٹھ مہینے ہو گئے ایک کوڑی نہیں آئی۔ شادی کی آواز جس دن سے بچہ نہایا تھا اسی دن سے کان میں آ رہی تھی مگر ان کے منہ پر کسی نے رکھا نہ انہوں نے ہاں نا کا جواب دیا ساٸرہ منتظر تھی کہ یہ آپ ہی تاریخ مقرر کر کے بلاوے بھیج دیں۔ میرے کہنے کی ضرورت بھی نہ ہو جب یہ دیکھا کہ ساس کروٹ ہی نہیں لیتیں تو آپ ہی منہ پھوڑ کر کہنا پڑا اماجان دن نکلے چلے جا رہے ہیں میرے دل میں وہم آتا ہے جمعرات کو بلاوے بھیج دیجئے۔

ساس۔ بیٹی میرے پاس ہوتو تم سے زیادہ تھوڑی ہی بیچے پڑے صدقے کیا کیا بتاؤں چھوٹی دلہن آجکل میرا ہاتھ ایسا تنگ ہو رہا ہے کہ کبھی نہیں ہوا۔ خبر نہیں کس طرح مہینہ گذار رہی ہوں۔ مجھے تو یہ نو دن پہاڑ مصیبت ہو گئے کل بڑی بہو سے روپیہ لے کر اوپلے منگوائے ہیں۔

ساٸرہ۔ ہمارے واسطے ہوا ہی کب ہے جو آج ہو گا نہیں ہے تو خدا انہیں ہی کرتے

ساٸرہ کہتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی پیچھے سے میاں نے آ کر کہا ذرا میرے کرتے میں جلدی سے گھنڈی لگا دو اذان ہو رہی ہے۔

بیوی پہلے ہی منہ پھلائے بیٹھی تھیں۔ میاں کی صورت دیکھ کر اور بھی کپا ہو گئیں۔

عابد۔ سنا تو کرو کیا کہہ رہا ہوں۔ گھنڈی لگا دو نماز کو دیر ہو رہی ہے

ساٸرہ۔ مجھے نہیں لگتی وگتی پھینک کیوں نہیں دیتے اپنے ہاتھ سے لگا لو خدا نے ہاتھ دیئے ہیں۔ جب ایسے بیگم کے باپ ہوں نہ جوا اولاد کی مٹی پلید ہو برباد ہوئے فقیر بھی ہوتے ہیں تو دو صورتیں جمع کر لیتے ہیں بلا سے کچھ نہیں تو روٹی سالن ہی سہی تم نقاختوں کے ہاں یہ بھی نہ جڑا۔ وہ تو میرے نام کی آگ ہے صبح ہی منجھلی بھابی کو

کو بیوی وپے دیے ہیں۔ میں نے کہا تو جھٹ لگ گئیں۔ یہ کچھ اُن کا تھوڑی ہے اس کو
تو میں اپنے ساتھ لیکر آئی تھی۔ کون سے لاکھوں اُٹھ جاتے تھے۔ اے بیس نہیں پچیس۔ خبر نہیں
کہاں کہاں اُٹھ جاتے ہیں۔

عابد۔ تم کو سوا اِن باتوں کے اور بھی کچھ کام ہے۔ میری نماز قضا ہو رہی ہے۔
تم اپنی داستان لے بیٹھیں۔ تم نہیں لگاتیں تو میں بڑی بھابی سے لگوا لیتا ہوں۔

سائرہ۔ بسم اللہ کرو۔ منع کس نے کیا ہے۔

عابد بھاوج سے گھنڈی لگوا نماز کو چلا گیا۔ سائرہ بیٹھی بڑبڑاتی رہی۔ نماز پڑھ کر
آیا تو ماں نے بلا کر کہا بیٹا بہو شادی کرنے کو کہہ رہی ہیں۔ خدانخواستہ جلتی نہیں۔
منع نہیں کرتی۔ پاس ہو تو سب کچھ ہے۔ نہ ہو تو بھیک نہیں مانگی جاتی۔ تم سمجھا دو آٹھ
دس روز اور ٹھہر جائیں۔ خرچ آجائے مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔

عابد ماں سے تو کچھ نہ بولا چپکا اُٹھ بیوی کے پاس چلا آیا۔ اتنا ہی کہنے پایا
تھا۔ ابھی آٹھ دس روز اور ٹھہر جاؤ۔ بیوی ماشاء اللہ ہوا کے گھوڑے پر سوار۔ کہنے لگی
ٹھہرنے کو میں کسی کو ذبح تھوڑی کر رہی ہوں۔ نہیں کرتیں نہ سہی۔ سب آٹھ دس
روز ہی ہیں۔ بھلا تم مجھ کو اُلو بناتے ہو۔ آپ وہی ہو گئیں کہ اُن کے پاس بیس پچیس روپے
نہیں ہیں۔ میں تو اول ہی دن سے اس گھر کو دوزخ سمجھ رہی ہوں۔ جلا جلا کر کے
حال کر دیا۔ ہڈی سے چمڑا الگ کیا۔ بے غیرتی کی روٹی جیسے شہر کا کپڑا۔ تمہارے
دم میں دم ہے تو جان لیکر بھی پیچھا نہ چھوڑتا۔ لونڈیوں کی بھی اور زیادہ ہو گی جیسی
مجھ بہو کی کر رہی ہیں۔ وہ بھی تو دونوں بہوئیں ہیں۔ ذرا ایسی ویسی ہو سارے گھر کو سر پر
اُٹھا لیں۔ وہ بہوئیں ہیں میں آئی لگائی۔ وہ بیگمیں ہیں میں زرخرید۔ دنیا بھر کے عیب
مجھ میں۔ سارے جہان کی برائیاں مجھ میں۔ جھوٹی میں۔ زبان دراز میں۔ مکار
میں۔ بے ایمان میں۔ بات بات کی بات کا یقین ہو اور نہ ہو تو میرا اللہ آفت ہو

تو کھلتی جائے بچہ تک سے بغض ہے ذرا کھسیتا ہوا دالان میں گیا اور چاروں طرف سے لے لے پڑی میں جب جانتی منجھلی بھابی کو روپے نہ دتیں۔ صبح ہی چوڑیوں کے بیس روپے دیئے ہیں میکاموں کے واسطے ہیں شادی کے نام کے نہیں ہیں خیر میں تو جس طرح ہوگا قرض کروں یا امام کروں کرد وں ہی گی۔ آج بائیس دن تو ہو ہی گئے میرا بچہ پڑ گیا تو میں کسی کا کیا کر لونگی کلیجے کو تو میرے ہی لگے گی بلا سے میں اپنی ایک چیز رکھدیتی ہوں اللہ دیکھا چھپا تو نگی نہیں مجھکو اس سے زیادہ نہیں ہے۔

میاں۔ ایسا غضب کبھی نہ کرنا قرض لیکر شادی کرنی کس نے بتائی ہے۔ اماں سنینگی تو تمہارے ساتھ مجھے کو بھی نکال باہر کرینگی۔

بیوی۔ میں تو خدا سے چاہتی ہوں کہ اس گھر سے غارت ہوں کہیں وہ گھر ہی ابھی چھکے جوان بلاؤں سے چھٹکارا ہو۔ ذرا مجھے کو ڈولی لادو۔

میاں تم ایسی خود مختار کب سے ہوگئیں اماں سے بھی پوچھ لیا یا یوں ہی ڈولی لادو وہ تمہاری شادی سے جلتی تھوڑی ہی ہیں جو ان کے نام سے بھی نفرت ہوگئی پوچھنے کی ضرورت نہ اجازت کی حاجت جو دل میں آیا وہ کیا جہاں جی چاہا وہاں چلی گئیں۔

بیوی میکے جا رہی ہوں پردیس تو نہیں جا رہی کہ ہاتھ جوڑوں اور قصور معاف کراؤں

میاں۔ میں ڈولی نہیں لا سکتا

عابد یہ کہکر باہر گیا سائرہ ڈولی منگوا بچے کو لے میکے پہنچیں۔ سائرہ تو خیر نا تجربہ کار تھی بد قسمتی سے اپنی شامت سوار تھی مگر شاکرہ کی عقل خدا جانے کہاں چرنے گئی تھی کہ لڑکی کو سمجھایا نہ گیا۔ آٹھ دن آٹھ برس تو نہیں تھے ایسی کیا آفت پڑ رہی تھی کہ جو کچھ ہوتا ان دن ہی آٹھ دنوں میں ہو جاتا۔

سائرہ ماں سے دو دو باتیں کر کھڑکی سے نکل ہمسائی کے ہاں آئی ماما کو مار دوڑائی کہ مجھکو پچاس روپے ابھی منگوا دو۔

مفت خوروں کا کیا بگڑتا تھا جلدی لگی نہ پھٹکری گھر بیٹھے بٹھائے سات تولے کی مالا ہاتھ آگئی۔ ڈیڑھ سو روپیہ لا پچاس سائرہ کو دئیے باقی اپنے پاس رکھے۔

عیب کرنے کو ہنر چاہئیے سائرہ کو اگر زیور ہی رکھنا تھا تو میکے کی بہت سی چیزیں تھیں مگر کم بخت نے روپیہ بھی قرض لیا تو جڑاؤ کی مالا پر کہ میکے کا بھی منہ کالا ہو۔ اس کی نگاہ میں سرے سے خاوند ہی کی وقعت نہ تھی ساس کی عزت اور سسرال کا خیال تو دوسری چیز تھا۔

سائرہ کا یہ فعل خلافِ توقع نہ تھا۔ شاکرہ کے مزاج سے البتہ بعید تھا کہ آگے دیکر بیٹی کی مٹی پلید کروادی سائرہ اپنے ہاتھوں اگر تمام زیور کو آگ لگا دیتی تو تعجب انگیز بات نہ تھی مگر شاکرہ جیسی عورت جو ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دے خاک نہ سمجھ سکی اگر شادی کا ایسا ارمان تھا نواسے کی محبت ایسا ہی جوش کر رہی تھی زیور ہی رکھنا تھا تو خدا کا دیا اپنے پاس بھی تو سب کچھ تھا اپنی ایک چیز اٹھا کر دیدی عقل کام نہیں کرتی کہ شاکرہ کی آنکھوں پر کیوں پردے پڑ گئے اور سمجھ کو کیا آگ لگ گئی کہ اپنے دروازے پر بٹھا کر بیٹی کو لٹوا دیا۔ یہ یقین نہیں آتا کہ شاکرہ کے گھر ہیرا اتنا بڑا کام ہو جائے اور شاکرہ کو خبر بھی نہ ہو۔

روپیہ ہاتھ میں آنے کی دیر تھی جمعرات کے بلاوے بھیج دیے۔ سائرہ کی مرضی تو یہی تھی کہ شادی بھی میکے ہی میں ہو مگر کچھ خدا ہی کو شرم رکھنی منظور تھی جو شاکرہ کو اتنی عقل آگئی کہ اپنے گھر پر نہ ٹھہرائی ورنہ پوری ہی لٹیا ڈوبتی۔

ساس کو کہیں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد جا کر بہو کے میکے جانے کی خبر ہوئی سخت رنج بھی ہوا افسوس بھی مگر کیا کرتیں اور کس سے کہتیں بیٹا سامنے آگیا اس پر بگڑنے لگیں۔

عابد ایک سلیم الطبع منکسر المزاج آدمی وہ تو ماں کہتیں راہ چلتا بھی اگر اس کو دو چار باتیں سنا جاتا تو چاہے تاگوار معلوم ہو لیکن الٹ کر جواب دیتا کچھ عجیب

قماش کا آدمی تھا۔ بھلے برے سعادتمند بد معاش نمازی پرہیزگار چوٹے مکار
سب ہی قسم کے آدمی دیکھنے میں آئے۔ مگر عابد جیسا بشر ہماری نگاہ سے تو گذرا نہیں
مزاج میں غرہ تھا منہ میں زبان نہ تھی طبیعت میں غصہ نہ تھا۔ لڑائی کا مادہ نہ تھا
خفگی کی عادت نہ تھی کوئی شوق اس کو نہ تھا کوئی امنگ اس میں نہ تھی جوان آدمی ہوکر
کوئی ارمان اس کو نہ تھا کوئی حسرت اس کو نہ تھی آدمی کیا پتھر تھا اچھے سے واسطہ
نہ برے سے کام بھلائی سے مطلب نہ برائی سے غرض۔ خوشامد سے معذور التجا سے
مجبور خدا معلوم وہ بیوی کی خوشامد کس طرح کرتا ہوگا اور نماز کے بعد خدا سے دعا
کیا مانگتا ہوگا۔

عابد جیسا مردہ دل آدمی جو جوانی میں دنیا و مافیہا کو فانی سمجھ چکا دو چار ہزار میں شاید
ایک آدھ نکلے تو نکلے ماں کی گفتگو سنکر تھوڑی سی افسردگی ہوئی مگر بیوی کا نام سنکر
مسکراہٹ بھی آگئی چپکا بیٹھا سنتا رہا اور وہ کہتی رہیں۔ بڑی مشکل سے اور
دقت سے رک رک کر اور چھپا چھپا کر اتنا کہا۔

آپ جو فرمائے وہ میں کروں۔

اُن بیچاری کی خود ہی عقل حیران تھی کیا بتائیں اور کیا فرمائیں جواب دینے
پائی تھیں کہ کہاروں نے آواز دی سواری اُتروا لو بہو کا خیال بھی نہ رہا۔ ماما سے
کہنے لگیں دیکھو تو کون ہے آتے میں آگے آگے بچے پیچھے پیچھے بہو بیگم آ رہی ہیں۔
سائرہ ہنستی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی لڑکی کو بھیجکر میاں کو بلوایا میاں
ابھی چوکھٹ ہی پر تھا کہ بیوی نے کہا۔

میں تمہارے یا تمہاری اماں کے بھروسہ پر نہیں بیٹھی ہوں میں نے اپنا سب
انتظام کر لیا گھر سے تو کسی کام کی امید کرنی ہی فضول ہے اپنی اماں سے کہدو جہاں
جہاں بلاوے بھیجنے ہیں جمعرات کے بھیجدیں۔

عابد۔ تم آپ ہی جا کر کہہ دو میں نہیں کہتا تم جاتو وہ جائیں وہ تمہاری ثنا کی تم اُن
سے بیزار وہ تم سے ناخوش تم اُن سے متنفر میں ادھر بولوں نہ اُدھر

سائرہ۔ تم کیا کہتے ہو سارا زمانہ جانتا ہے کہ وہ میری دشمن ہیں جبھی میں اُن سے
بیزار ہوں میرا اللہ جانتا ہے جیسا میں نے صبر کیا اللہ میرے آگے لائے۔ جیسا انہوں نے
ظلم کیا اللہ اُن سے سمجھے۔

عابد۔ تم میرے سامنے انکی شان میں گستاخی مت کیا کرو۔ تم تو اپنی زبان کے
آگے دنیا بھر کو بے ایمان سمجھتی ہو۔ تم نے دشمن سمجھ لیا اچھا کیا مگر میرے روبرو ان کلمات کی
احتیاط کیا کرو۔ میں جہاں تک درگذر کرتا ہوں تم سر پر چڑھی جاتی ہو۔

سائرہ۔ یہ الٹی اُلٹی باتیں مجھے نہیں اچھی معلوم ہوتیں جتنا میں دبتی ہوں اُتنے
ہی تم شیر ہوئے جاتے ہو۔ مجھکو تمہارا ڈر نہ تمہاری اماں کا۔ نہ تمہاری پرواہ نہ تمہاری
اماں کی۔ مجھکو رخصت کرو اپنی اماں کو لئے بیٹھے رہو تم مجھ سے ناخوش میں تم سے
ناخوش، تم اپنے گھر خوش میں اپنے گھر خوش۔ تم تو خدا سے چاہتے ہو بچے کی شادی
میں کسی طرح کھنڈت پڑ جائے باپ تو غیر ہے۔ خیر تم نہیں کہتے میں آپ جا کر کہہ دیتی ہوں

عابد گھبرا کر بیوی کا منہ ہی دیکھتا رہا اور بیوی جو وہاں سے اٹھی تو سیدھی ساس کے پاس

سائرہ۔ میں نے سب فکر کر لیا تمہیں جس جس کو بلانا ہے پرسوں کے بلاوے
بھیج دو۔ اپنے ہاں میں خود بھیج آئی۔

ساس۔ بیٹی میں تو کچھ نہیں کہتی جو کیا وہ اچھا کیا جو کرتی ہو وہ خوب کرتی ہو
کوئی بڑا بوڑھا تمہارے سر پر نہیں اپنے دل کی مختار ہو۔ مجھے بلاوے کہاں بھیجنے
ہیں۔ چار گھر تھے سب بیٹھ گئی۔ اور کوئی نہیں آتا جاتا۔

سائرہ۔ نہیں آتا تو نہیں سہی اب آپ تھوڑی ایک ایک کے آگے ہاتھ
جوڑنے جاؤ گی۔ یہ اچھی زبردستی ہے آپ کرنا نہیں اور سے کو کرنے نہ دیں تو

کروں ہی گی۔ چاہے بگڑو چاہے سنورو جو کہنا تھا وہ کہدیا چاہے بلاؤ چاہے نہ بلاؤ۔
ساس کیا اور میاں کیا اگر تمام زمانہ سر ٹیکتا تو سائرہ جمعرات کا جمعہ کرنیوالی تھی
گو سائرہ کی حالت اور عادت سے نا ممکن بھی ممکن قرین قیاس تھا تاہم ساس کو
یہ امید نہ تھی کہ ایسی آنا اور یہاں تک خود سری ہو جائے گی۔ بہو کی بات کا جواب تو دیدیا
مگر یقین نہیں آیا کہ یہ سچ کہتی ہے یقین آجاتا تو کچھ نہ کچھ ضرور کرتیں۔ بلاوے نہ بھیجتیں
مہمان نہ بلاتیں گھر تو درست کر لیتیں شاکرہ کے صبح ہی صبح آنے سے البتہ یہ خیال ہوا
کہ آج جمعرات ہی کہیں سچ مچ ٹھہرا تو نہیں دی ابھی سوچ ہی رہی تھیں کہ ماموں نے آکر
آواز دی پان چھالیہ لے جاؤ اور ریزگاری کے واسطے رومال بھیجدو۔ اب تو بڑی بی
کا چہرہ لال ہو گیا مگر کیا ضابطہ عورت تھیں دل کی کیفیت جو کچھ ہو بظاہر تیوری پر
بل نہ آنے دیا اُٹھیں جو کچھ ہو سکا اور جتنا کچھ ہو سکا اور جس طرح بھی ہو سکا گھر کو ٹھیک
کیا۔ دریاں خاک میں اٹ رہی تھیں اتنا وقت تو تھا نہیں کہ انکو جھڑواتیں جھاڑو
دلوا کر اوپر سے چاندنی بچھادی۔ ایک دالان درست کرنے پائی تھیں کہ مہمان آنے
شروع ہو گئے۔ غصہ تو بے سبب آرہا تھا اور واقعی غصہ کی بات بھی تھی نہلانے سے گئیں
دھلانے سے گئیں دھوبی کے دھوئے ہوئے سفید کپڑوں سے گئیں۔ بیویاں ڈولی سے
اُتر اُتر کر چلی آرہی ہیں۔ بڑی بیوی کے کپڑے گرد آباد سر پر منوں خاک صورت ہے کہ
پہچانی نہیں جاتی۔

اندیشہ یہ تھا کہ ساس کی ناراضگی شادی میں بدمزگی پیدا نہ کرے مگر وہ بہو کسطرح
چھچھوری تھوڑی تھیں اُف بھی نہ کی۔ زینت بھی مہمانوں کی خاطر مدارات میں لگی رہیں اتنا
تو ضرور کیا کہ آپ کھانا نہ کھایا مگر کیا مجال جو شادی اور شادی کے بعد کبھی بیٹے یا بہو کے
منہ پر کہا ہو۔

(٣٤)

عابد کے ایک دوست جو برسوں ہم سبق رہے اور بنگالے کے رہنے والے تھے اور
اب کسی سالے سے تعلق ہو گیا تھا اتفاق سے شہر میں آئے ان کے آنے کی غرض کچھ ہی ہو
عابد کو ایک وقت کی دعوت کرنی لازم تھی۔

عابد کی حالت بلکہ قسمت پر ہنسی تو کیا خاک آتی ہے، رونا آتا ہے باہر دعوت کر آیا اندر
بیوی سے کہا آج ذرا کھانا زیادہ پکے گا۔ تم اتنا کام کرو کہ تمام انتظام شام ہی سے
ہو جائے مغرب کے بعد کھانا بالکل تیار رہے۔ اماں کو بخار چڑھ آیا۔

میاں کی یہ درخواست بیوی کی نگاہ میں جس قدر وقعت رکھتی تھی وہ ظاہر ہے
میاں ماشاء اللہ اتنے سیدھے کہ بیوی کی نالائقی کا قبل از وقوع کبھی شبہ بھی نہیں
ہوتا تھا بیوی چشم بد دور اتنی ٹیڑھی کہ میاں کیسی ہی عاجزانہ گفتگو کیوں نہ کریں سیدھے
منہ بات ہی گناہ پہلے تو میاں کو کچھ جواب ہی نہ دیا دو تین دفعہ کہا تو ناک بھوں
چڑھا کر یہ کہہ دیا میرے آپ سر میں درد ہو رہا ہے۔ تمہیں تو روز ہی شعبدے آتے ہیں
مجھ سے یہ جھنجال نہیں بھگتے جاتے۔

میاں آج تو جس طرح ہو سکے تم اس تکلیف کو گوارا کر لو کیونکہ میں کہہ چکا
آئندہ احتیاط کروں گا۔

بیوی۔ درد کی تو مجبوری ہے بخار میں آدمی سب کچھ کر سکتا ہے۔ آخر گیہوں
بھی تلوا رہی ہیں یا نہیں۔ کھانے کا نام سن کر بخار چڑھ آیا۔ ان ہی سے پکوا لو۔
مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا میں بھی کر دونگی۔

میاں۔ ہاں اس سے تم خاطر جمع رکھو تم اکیلی نہیں رہو گی۔ وہ تمہارے
ساتھ لگی رہیں گی۔

میاں یہ کہہ کر کوٹھے پر گئے ماں نے ظہر کی نماز پڑھی پڑھ چکیں تو اسی بخار

میں اُٹھکر کھانا پکانیکا اہتمام شروع کیا عصر کے وقت تک بہو کی راہ دیکھتی رہیں مگر بہو کو ایسی
کیا غرض پڑی تھی کہ مفت کی بیگار بھگتنے۔ مغرب سے کچھ دیر پہلے باورچی خانہ میں آئیں اور ہنڈیوں
پتیلیوں کو کھولکر دیکھا۔ ایک ایک نوالہ سب کا چکھا۔ سالن میں نمک زہر تھا یا چاولوں
میں گھی تہائی کباب سب کچے تجویز کئے۔ ساس اندر کے دالان میں جا بیٹھی تھیں یہاں سے
کہا آٹا تو گندھ ہی چکا ہے لاؤ پراٹھے میں ڈالدوں۔

ساس پراٹھے تو یہ بھی ڈال لیگی۔ تم فقط قورمہ بگھار لو اور تو سب تیار ہے
میری اب ہمت نہیں پڑتی۔ نہیں میں آپ ہی بگھا لیتی۔

سائرہ کو آجتک کھچڑی پکانے کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ قورمہ تو بڑی چیز تھی
ماما سے کہکر باہر گئی۔ ....

..... لے بی بیوی وہی بھول آئی تم اتنے مصالحہ بھونو میں بھاگ کرلے آؤں۔ اب
یاد کچھ آتا تھا اور بچا کچا کیا تھا اور بی سائرہ مصالحہ بھونتے کھڑی ہوئیں تو کوئلہ اور
گوشت بگھارنے اٹھیں تو جلا کر خاک کر دیا۔ گھی ڈالا تو رتی بھر پانی ڈالا تو موان منہ
غرض قورمہ تیار ہو کر اترا تو عجب ڈھنگ کا رنگ کالا مزے کا کڑوا دیکھنے میں
تلخ کھانے میں دلیا۔ قورمے کے علاوہ دو چیزوں پر اور عنایت کی انکو بھی غارت کیا
زردہ دم پر تھا اس پر یہ کرم کیا کہ گھی سمجھ کر گھونٹ گھانٹ گھی کر رکھدیا۔ پلاؤ
بالکل تیار تھا۔ پتیلی اُتار نیچے رکھدی۔ چاول پا کھٹا مار گئے۔

ادھر زردہ برباد ہوا اُدھر پلاؤ کا ناس ہوا۔ ساس سمجھائیں ہی تھیں بہو نے
کھانا نکال باہر بھیجا مگر کیسے پھٹے پٹے زردے کی طشتری میں راکھ ہے سالن
میں لوٹی نہیں۔ دسترخوان پر رکھتی نہیں۔

عابد کھانے کو دیکھتے ہیں تو سبحان اللہ۔ ہم تو عابد کی تعریف ہی کرینگے۔
صد آفریں اس کی ہمت کہ بیوی کی بدولت یہ کچھ ذلت اٹھائی مگر کیا مجال جو

ذرہ بھر شرکت کی ہو۔

کوئی چیز کھانے کے قابل ہوتی تو کھاتے دو دو چار چار نوالے کھا کھا کر سب نے
ہاتھ کھینچ لیا۔ ایک شامی کباب ٹھیک سمجھو وہ کوئی پیٹ بھرنے کی چیز تو تھی ہی نہیں
دو نہیں چار کھائے۔ باقی سالن کے پیالے بھرے کے بھرے پلاؤ زردے کی رکابیاں
جوں کی توں بیاہ والوں کا یوں ہی پلٹ آیا اور بھوکے بنگالی رخصت ہوئے۔

(۳۵)

عابد اپنے دوست کو پہنچانے تھوڑی دور ساتھ چلے۔ اندھیری رات تھی۔ ابر گھرا
ہوا۔ گلی کے نکڑ پر سڑک کوٹنے کے کنکروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اندھیرے میں اوپر چڑھ
گیا کنارے پر تھا گرا ہاں اترتی دفعہ پاؤں اس میں جا پڑا! اوندھے منہ گرے ہیں آدھا
کنکروں پر ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ہائے ہائے کرتا گھر آیا۔ چاہا بہت کہ صبر کروں مگر
ہڈی ٹوٹی تھی خراش تو تھی ہی نہیں لمحہ بہ لمحہ تکلیف بڑھنے لگی کسی طرح کل نہ پڑتی
تھی جس بل لیٹتا تھا تکلیف اور جس کروٹ لیٹتا تھا بے چینی۔ صلاح یہ ہوئی کہ گنگی
پہلوان کو دکھانا چاہیے، گنگی آئے، چار پانچ منٹ تک تو ہاتھ کو ادھر ادھر الٹ پلٹ کر
دیکھتے رہے اور پھر کہنے لگے پیر مرشد یہ تو کہنی میں موچ آگئی ایک لیپ لگائے دیتا ہوں رات بھر
میں ہاتھ کھل جائیگا۔

"صاحب الغرض مجنوں" دو روپے میاں گنگی کے نذر کئے خیر نہیں اللہ کا بندہ
کہاں کے پتے پیکر باندھ گیا۔ خدا جانے پتوں میں کیا تاثیر تھی کہ ایک چیخ آسمان اور
ایک زمین تمام رات آنکھوں میں کٹ گئی ماں کی تو ممتا تھی لیکن [illegible] بیچاری جو
کو بھی پلک سے پلک جھپکانی حرام تھی مگر لعنت خدا کی معاملہ پر [illegible] تھا کر
نہ پوچھا یہ نہیں کہہ جاتی ہو جس وقت میاں تڑپتا ہوا آیا تو [illegible]
گنگی کے آنے تک تو اپنے کمرے میں بیٹھی جاگتی رہی۔ پھر [illegible]

کے قریب جب نند نے آکر ایک لمبی پٹی کے واسطے جگایا ہی ہوشیار ہوئی، اٹھی تھی مگر کیسی بگڑتی ہوئی کہ نند بھی ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔

نند۔ چھوٹی بھابی ایک پٹی دیدو۔

بھاوج۔ میرے پاس پٹی رکھی ہوئی ہے؟

نند۔ کل جو لم دراز آئی ہے اس میں سے عرض کی ایک تار دو۔

بھاوج۔ توبہ، سونے تک بھی تو حکم نہیں ہے۔ دن بھر پیچھے چین نہ لینے دیں۔ رات پھر تمہاری آفتیں پڑی رہیں۔ پچھی رکھی ہوئی ہے کوئی ہولیجا وہ لم دراز تو میں نے رنگنے کو دیدی ہے۔

اتنا کہکر لیٹ گئی اور لیٹتے ہی سوگئی نند کی تو ہستی کیا تھی جو بھچی کو ہاتھ لگاتی دو تین آوازیں اور ہوئے چلی آئی۔ بڑی بھاوج نے اپنا پرانا دوپٹہ پھاڑ کر پٹی باندھی صبح کو ڈاکٹر نے آکر ہڈی جوڑی اس کے زور سے بخار بھی چڑھ آیا غرضکہ ہفتہ بھر درد میں اور بڑی مصیبت سے گذرے۔ مرحبا بی سارہ میاں کی خدمت تو درکنار کسی دن اور کسی کام میں اتنی بھی مدد نہ دی۔

مزاج میں کیسی ہی انسانیت اور طبیعت میں کتنا ہی انکسار کیوں نہ ہو تجربہ انسان کو کھرے کھوٹے کی شناخت اور اچھے برے کی تمیز بتا دیتا ہے۔ عابد کی طبیعت میں گو مخالفت کا مادہ قریب قریب معدوم تھا مگر دوران علاج میں اسکو اس بات کا یقین ہوگیا کہ بیوی کو میرے جینے کی خوشی نہ مرنے کا غم۔ سارے دن ہر سے نہ بھاوج لب ہوگئے۔ مجھ سے زیادہ بدنصیب کون ہوگا کہ ایسی بیوی پلے پڑی۔ ہر دم کی سوختگی ہر لمحہ کا عذاب غرض عمر خراب ہوئی میری تو خیر تقدیر میں یہی لکھا تھا جس طرح ہوگا مرونگا اور بھروں گا۔ مگر میرے ساتھ اماں کی کیسی مٹی پلید ہوئی ہے میں نے آج کی گھڑی تک کبھی انکو جواب بھی نہیں دیا۔ یہ کم بخت جو منہ میں آئے وہ کہہ ڈالے انکی شرافت تو

یہانتک کہ بہو سے اطاعت کی توقع نہیں۔ فرمانبرداری کی خواہشمند نہیں۔ خدمتگزاری
کی خواہاں نہیں۔ بہو کی لیاقت پہ کچھ کہ زبان درازی کو فخر سمجھے۔ گستاخی کو سعادت جانے
انکی عنایت بلکہ نہایت محبت کچھ ہی سمجھو کہ برابر درگذر کر رہی ہیں۔ یہ وقت اُن کا بڑھاپے
کا ہے اسی دن کو اولاد کا ارمان کرتے ہیں کہ آخر وقت خدمت کریں۔ سچ تو یہ ہے کہ
میری طرف سے انکو متواتر اذیت پہنچ رہی ہے۔ منہ سے کہنے کو کہہ لوں۔ دل میں
سمجھنے کو سمجھ لوں کہ نعمت غیر مترقبہ ہیں باعث برکت ہیں مگر اس کہنے سے حاصل
کیا۔ عقل کام نہیں کرتی۔ کیا انتظام کروں جی یہ چاہتا ہے کہ وہ بڑی بوڑھی بنی
بیٹھی ہیں اور ہم سب دست بستہ خدمت میں حاضر رہیں۔ مجھکو تقدیر کی کیا خبر تھی
ہیں تو قیامت تک کبھی اجازت نہ دیتا۔ بلا سے تھوڑی دیر کے واسطے بے شرم ہو جاتا
مگر اس عمر بھر کے عذاب سے چھوٹ جاتا۔ خود بھی مصیبت میں پھنسا اور اپنے ساتھ
اوروں کو بھی پھنسایا۔ بارہا دیکھ چکا ہوں جب کوئی سخت سست بات کہی منہہ
دیکھ کر چپ ہو جاتی ہیں۔ کیا میں سمجھتا نہیں یا جانتا نہیں کہ اُنکے دل پر صدمہ
پہنچتا ہوگا پھر آخر اس گناہ کا مرتکب کون؟ میں ہی تو ہوں جب گناہ میں ہوں
تو مرتکب گناہ جیسے ہوا بڑی بیٹی نے فکر و اغ دیا چھوٹے بیٹے نے جیتے جی باغ باغ کر رکھا ہے
عابد کے دل میں ان خیالات کا آنا تھا کہ بیوی کی صورت سے نفرت ہو گئی وہ
طبیعت رہی نہ رغبت۔ الفت رہی نہ محبت، نوبت یہانتک پہنچی کہ بلا ضرورت
بات تک کرنی چھوڑ دی صبح کا کھانا کھایا اور ادھر جا بیٹھا رات کے دس بجے آیا
کھانا کھایا پڑ کر سو رہا۔

(۳۶)

اب یہ دیکھنا ہے کہ عابد کی اس حالت کا سائرہ پر کیا اثر ہوا اور نتیجہ موافق ہوا
یا نہ ہوا۔ سائرہ جیسی بھی تھی بہرحال انسان تھی حیوان تھی کہ اثر محسوس ہوتا۔ بچہ نہ تھی

اندھی نہ تھی کہ میاں کے تعلقات میں اتنی بڑی تبدیلی ہو جاتی اور اس کو خبر بھی نہ ہوتی
دیکھنے سے معذور نہ تھی سمجھنے سے مجبور نہ تھی اب بھی اصلاح پیوستہ ٹیڑھی کھیر
تھی۔ میاں کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کو اور بھی وحشت سوار ہوئی یقین ہو گیا کہ
میرا گھر ساس نے کھویا آج بلا ضرورت بات نہیں کرتے اگر میرا اُن کا ساتھ رہا
تو کل بہ ضرورت بھی بات نہ کریں گے۔ جس طرح ہو سکے الگ گھر لیکر بیٹھوں یہ خیال
ذہن میں ایسا جما کہ رفتہ رفتہ ارادہ ہوا اور آخر کار مصمم منجھلی اور بڑی دو جیٹھانیوں
سے بھی کہہ دیا اُن دونوں نے جا کر ساس سے جڑ دیا۔

جیسی ساس سائرہ کو ملی تھی اور پرائی اچھی جوان کی بیٹیوں کو نصیب ہے۔ سنکر
سیدھی اٹھی سائرہ کے پاس چلی آئیں سائرہ کھانا کھا رہی تھی پاس بیٹھ کر کہنے لگیں
بیٹی! میں اس دن کو نہیں بیاہ کر لائی تھی کہ تم میری صورت سے بیزار ہو کر
الگ کرو۔ یہ گھر کسی اور کا ہے تمہارا نہیں؟ میں نے ایسی کیا خطا کی کہ تم میرے
نام پر لاحول بھیجنے لگیں۔ چھوٹی دلہن میں نے بیٹی سے زیادہ تم کو سمجھا ہر طرح تمہاری
خاطر کی۔ ہمیشہ یہی کہتی رہی کہ کسی طرح تمہارا دل آزردہ نہ ہو جو تم نے کہا۔ ہاں میں
ہاں ملاتی رہی اس کا نتیجہ یہ ملا کہ تم الگ گھر لے کر بیٹھو۔ بیٹی میری جان۔ دن کی زندگی
کیوں برباد کرتی ہو۔ میرے بعد جہاں جس کے سینگ سمائیں چلے جانا بیٹی تمہاری
کسی بات میں دخل دیتی ہوں تو بتاؤ۔ غیروں کی طرح بیٹھی دیکھتی ہوں اسی واسطے کم
نہیں بولتی کہ تم کو برا معلوم ہو گا۔ تمہارا گھر ہے جو جی چاہے سو کرو۔ میں کیا
عاقبت کے بوریے سمیٹوں گی یہ جینا زندگی ہے کہ دن بھگت رہی ہوں اور
تھوڑے دنوں کی مہمان ہوں اگر تمہاری یہی خوشی ہے تو یہ بھی کئے لیتی جاؤں گی۔

سائرہ سچے تو جھوٹی بچی باتیں ملانی آتی نہیں۔ وہاں بیٹے کو لگا لگا کر ترش
کر دیا کہ وہ بات نہیں کرتے تھے یہاں آ کر کہنا شروع کیا کہ میں تو گھر کی آدمی ہوں جو

دل میں زیادہ صاف کہہ دیا میں کیا جانتی نہیں۔ انہی دونوں فتنیوں نے جا کر لگایا ہے
آپ ہی تو مجھ کو بہکایا۔ آپ ہی وہاں جا کر اکسایا۔ خیر میں تو نہیں کہتی۔ ہاں میں نے
کہا تھا۔

ساس۔ عابد کی تو کیا مجال ہے کہ تم کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ لے سر پر بٹھا کے
رکھ کر میں لائی ہوں وہ بیچارا ہوتا کون ہے بیٹی! اب ایسی بات منہ سے نہ نکالنا۔
بہکانے والوں کا کیا گیا ہے ایک شگوفہ چھوڑ دیا اور سیر دیکھنے بیٹھ گئے۔

بہو کو سمجھا کر اپنے دالان میں آئیں ماما کو بھیج کر بیٹے کو بلوایا عابد آیا تو کہنے لگیں۔

میاں عابد تم بڑے مانس کہلاتے ہو مولوی کہلاتے ہو شریف کہلاتے ہو اور گن
تمہارے ایسے کہ کمینوں کو بھی مات کیا۔ بھلا یہ کیا سوجھی کہ بیوی سے بات نہیں کرتے بیٹا
مجھ بوڑھی ماں کے چونڈے کی اچھی لاج رکھی آج تو بات کرنی چھوڑی کل کو گھر
سے نکال باہر کرنا بس تو جب تم خود مختار ہو گئے تو تم جانو تمہارا کام جانے بیچ
میں بولنے والی کون۔

عابد۔ یہ تو آپ نے غلط سنا کہ میں نے بات کرنی چھوڑ دی البتہ کم کر دی
اس میں میرا کیا قصور ہے آخر ان بیویوں کی کوئی انتہا بھی ہے مجھ کو اپنی ذاتی تکلیف
کی مطلق شکایت نہیں رونا یہ ہے کہ آپ کی اطاعت نہیں کرتیں۔

ماں۔ نہیں کرتیں تو وہ جانیں میں جانوں تم کیوں آپس میں لڑے مرے کرو
مجھ کو ان کی نافرمانی کا اتنا رنج کبھی نہیں ہوا جتنا تمہاری اس نالائقی کا۔ تم بہت
سعادت مند ہو سنا کہ بیوی سے رنج کا انتقام کیا تو ایسے طریقے سے جو اس سے زیادہ رنج آمیز ہے

عابد۔ اگر آپ کو ناگوار ہو تو آپ معاف کیجئے آئندہ احتیاط کروں گا۔

ماں۔ میری مراد تو یہی ہے کہ تم کو خوشی خوشی چھوڑ کر جاؤں جو ہو گیا سو ہو گیا
اب ایسا بیہودہ پن نہ کرنا۔

عابد۔ اب انشاءاللہ ایسا نہ ہوگا۔

عابد یہ کہہ کر باہر آیا دروازے پر دیکھا تو ڈولی رکھی تھی اندر آتا تھا کہ بیوی سے مڈبھیڑ ہوئی۔ میاں پوچھتا ہی رہا سائرہ ڈولی میں بیٹھ پردہ چھوڑ کہاروں کو آواز دے یہ جا وہ جا۔

پہلوٹی کے لڑکے کی پیٹھ پر ایک تین مہینے کی بچی اتری اب سائرہ کی ایک لڑکی ساتویں برس میں تھی۔ ایک لڑکا چوتھے برس میں ایک لڑکی تیسرے میں۔ برس بھر کی لڑکی گود میں آٹھ نو برس کی بیاہتا پانچ چھ بچوں کی ماں ہوں ہوں کرتی ڈولی سے اتری۔ باپ ماں، بہن بھائی سب پریشان ہوگئے ماں کھچڑی دھوتے اٹھی تھی کہ بیٹی کے رونے کی آواز کان میں آئی۔ جان نکل گئی سٹ پٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی بیٹی سے پوچھا خیر تو ہے؟

کوئی بات ہو تو بیٹی بتائے ماں پوچھ پوچھ کر تھک گئی۔ باپ سر ٹپک ٹپک کر ہار گیا۔ مجبور شاکرہ جل کر کھڑی ہوگئی میاں سے بگڑ کر کہنے لگی جلے ہے اتنی پر چول کا ہیکی ہے۔ لڑائی بھڑائی ہوئی ہوگی۔

شاکرہ سائرہ کی ماں ضرور تھی مگر ایسی بے غیرت نہ تھی کہ داماد کی آؤ بھگت میں کمی کرتی۔ بیچاری کا پیٹھ پیچھا ہی نو برس میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بیٹی آئی ہو اور داماد کو نہ بلایا۔ جب تک بیٹی رہتی دونوں وقت داماد یہیں کھانا کھاتا اچھا یا برا جو میسر تھا مگر کھلاتی ضرور۔

بیٹی کی شکل دیکھتے ہی اس نے بیٹے کو بھیجا تھا کہ دولہا بھائی سے کہہ آ آج شام کو کھانا یہیں کھائیں۔

سلیم تھوڑی دیر تک تو سائرہ کی داستان مصیبت سننے کا منتظر رہا مگر پھر اٹھ کر چلا گیا۔ باپ کے بعد بیٹی نے ماں کو اپنی رام کہانی سنائی اور یہ بھی کہہ دیا کہ

میں تو اب اس پر جاتی نہیں۔ بہ برابر والا گھر خالی کروالیں میں موجود ہوں بلا سے دکھڑا کرونگی اور پیٹ بھرونگی مگر وہاں نہ جاؤنگی۔

رنج اور افسوس زیادہ تر خلاف توقع واقعات کا ہوتا ہے۔ سائرہ کے مزاج اور عادت سے یہ تجویز کچھ بعید نہ تھی شکایت شاکرہ سے ہے کہ ایسی سمجھدار اور شکر گزار عورت ہو کر بیٹی کی رائے سے فوراً اتفاق کرلیا شاکرہ کا فرض تھا کہ سائرہ کو سنتے ہی ڈانٹ دیتی مانا کہ وہ سنتی تو ماں کی کیا باپ کی بھی نہیں مگر جو کچھ کرتی سسرال ہی میں جاکر تو کرتی شاکرہ کے اوپر تو بات نہ آتی۔

عابد نے ماں کے کہنے سے یہ ارادہ مصمم کرلیا تھا کہ اب بظاہر بیوی کو ذرہ بھر بھی موقع شکایت کا نہ دونگا ابھی یہ ارادہ پورا نہ ہونے پایا تھا کہ بیوی نے یہ عنایت کی۔ میاں سے ذکر نہ کیا۔ ساس سے اجازت نہ لی۔ اپنی خوشی ڈولی منگوا چمپت ہوئی۔

عابد کے مزاج میں حرارت نہ سہی غصہ نہ سہی شرارت نہ سہی مگر شوہر تو تھا ہی بیوی کی یہ حرکت بہت ہی ناگوار ہوئی ماں کے پاس آکر شکایت کرنے لگا یا سمجھا رہی تھیں کہ سسرال سے طلبی کا پیغام پہنچا۔ آج پہلا دن بلکہ پہلا اتفاق تھا کہ عابد کو عمر بھر میں ایک جوش آیا مگر عجیب مزاج کا آدمی تھا۔ دروازے تک آتے آتے بالکل ٹھنڈا ہو گیا۔ وہاں اقرار کرلیا ماں کے پاس آیا تو پھر مرضی پلٹ گئی۔ ماں نے سمجھا بجھا کر رضا مند کیا اور مغرب کے بعد سسرال بھیج دیا۔

شاکرہ نہ ہوتی تو عابد بھوکا آتا بھوکا رہتا بھوکا اٹھتا اور بھوکا ہی جاتا۔ سائرہ تو ادھار کھائے بیٹھی تھی کہ کب میاں آئے اور کب الگ گھر کا فیصلہ کرلیا مگر شاکرہ نے اتنی انسانیت کی کہ پہلے کھانا کھلا دیا۔

کھانے سے فراغت ہوئی تو شاکرہ نے کہا

میاں اب تم ماشاء اللہ سب لائق ہوئے ماں باپوں کا ساتھ سدا نہیں رہتا

دنیا جہان کا دستور ہی برس دو برس ساتھ رہی پھر الگ ہو گئے۔ تمہارے بیاہ کو
تو اللہ رکھے نواں برس ہی۔ تم ہی سوچو اب بال بچوں کے ساتھ ایک گھر میں
کس طرح گذر ہو سکتا ہی۔

عابد۔ جناب ہمارے یہاں کا یہ دستور نہیں ہی۔ چچا کی بہو تھوڑی ہی آئی
ہیں اور بھی تو دو ہیں۔ انکے بیاہ کو تو نو برس ہوئے انکے بیاہ کو پندرہ اور بیس
الگ گھر کرنے کی کبھی انکی مرضی ہوئی نہ کسی نے صلاح دی۔ وہ بھی رہتی ہیں
یا نہیں یا وہ انسان نہیں ہیں ان میں کیا سرخاب کا پر لگا ہوا ہی جو انکو وہاں
رہنا عذاب ہی اور اگر انکی یہی ہٹ ہی تو اماں سے صلاح لیں۔ نکاح کر کے
تو وہ لائی ہیں جو انکی رائے وہ میری رائے۔

ساس۔ ان دونوں کا کیا ہی آگے ناتھ نہ پیچھے پگہا کوئی نام لیوا نہ پانی دیوا
نگوڑی ناٹھیاں بے اولادیاں انکو چاہیئے ہی کیا جہاں جگہ پائی چارپائی بچھائی
اور پڑ رہیں مصیبت تو بچوں والی کی ہی۔ سارا جھگڑا انہیں تو اللہ رکھے بچوں کے
دم کا ہوتا ہی۔ برا نہ ماننا اپنی منجھلی بہن کو ہی دیکھ لو بھائی کالے کے بیاہ میں مہینہ
بھر کے لیے پٹیالے سے آئیں اور بھاوج سے نہ بنی۔ چالے تک بھی نہ ٹھہریں مہینہ بھر
کی جاتی آٹھ ہی دن میں اکتا کر چلدیں وہ دن اور آج کا دن پھر اس اللہ کی بندی
نے ادھر رخ نہیں کیا۔ بھلا کہیں اپنے گھر کا سا آرام دوسری جگہ مل سکتا ہی۔

شاکرہ۔ میں ہی کونسا ہزاروں کوس کو کہہ رہی ہوں۔ نیم والا مکان دیوار
بیچ ہے۔ پاس کی پاس اور دور کی دور۔

عابد۔ اچھا میں جاتا ہوں اماں سے ذکر کرونگا۔ دیکھوں وہ کیا جواب دیتی ہیں

شاکرہ۔ ایسی جلدی کیا ہی صبح کو چلے جانا۔

عابد۔ بہت اچھا۔

رات بھر میاں عابد سسرال میں رہے مگر کیا مجال کہ نام کو بھی نیند آئی ہو۔ پلک سے پلک جھپکانی حرام تھی۔ چت پڑا ہوا تھا اور آسمان پر نگاہ تھی سوچتا رہا کہ اب کیا کروں جو تدبیر کی وہ خراب۔ اور جو تجویز کی وہ الٹی۔ رات بھر اسی ادھیڑ بن میں رہا۔ عابد کی اس رات کا کسی بدنصیب کی شبِ فراق سے مقابلہ ہوتا تو معلوم ہوتا کہ کس کی رات بڑھ کر رہی وہاں اختر شماری تھی تو یہاں ذلت و خواری وہاں دیدارِ جاناں محال تھا تو یہاں بیوی کی اصلاح خواب و خیال مگر وہ خواہشیں مکروہ اسمان گنبد سے یہ خانہ داری کے جھگڑے اور دنیا کے دھندے۔

بہ ہزار دقت عابد نے رات تمام کی خدا خدا کر کے یہ مصیبت کی گھڑی ٹلی اور اللہ اکبر کی آواز آئی۔ چھوٹی بچی جو باپ سے بہت مانوس تھی اٹھ بیٹھی مگر وہ بچی کو روتا اور بیوی کو سوتا چھوڑ لیا ہوا مسجد میں نماز پڑھی گھر پر آکر آواز دی بہن نے آکر کنڈی کھولی۔ ماں نماز پڑھ چکی تھیں کہ بیٹے نے تمام سرگذشت سنائی۔ تھوڑی دیر تک تو چپ سناٹے میں بیٹھی رہیں اور پھر روکھی ہو کر کہنے لگیں اچھا بیٹا اگر اسی میں خوشی ہے تو بسم اللہ کرو۔ جب ان کو یہ ضد چڑھی ہے تو آج نہیں کل نہیں پرسوں۔ ایک دن الگ ہو کر رہینگی۔ میں کہاں تک روک سکتی ہوں۔ تم میاں بیوی رنج نہ کرو میں آج ہی مکان صاف کروا دیتی ہوں۔

ساس نے دوپہر سے پہلے پہلے مکان میں جھاڑو بہارو دلوا مٹکے رکھ پانی بھروا بہو کو خوشخبری بھیجدی۔ شام کو سائرہ ہنسی خوشی آ کر اپنے الگ گھر میں رہنے سہنے لگیں۔

سائرہ کو علیحدہ رہنے سے جو دقتیں پہنچیں اور مصیبتیں اٹھانی پڑیں اُنکے مفصل بیان کی ضرورت ہی ہے نہ فرصت۔ مختصر یہ کہ مہینے کے اندر ہی اندر چھٹی کا کھایا یاد آگیا ماما کوئی نکتی نہ تھی آپ پکانا آتا نہ تھا ساس سے مانگ سکتی نہ تھی۔ جلنے

ہوئے ٹکڑ اور اداوہ کچری دال کھانی پڑی۔ وہ بھی دونوں وقت نہیں۔ ہمت کی تو پیٹ بھر لیا اور جو آلکسی کی تو فاقہ۔

سائرہ کی تقدیر میں جو مصیبت لکھی تھی وہ جھیلی جیسا کیا ویسا پایا کئے کی سزا بھگتی۔ الگ ہونے کا مزہ چکھا عابد کو کیا کتے نے کاٹا تھا کہ وہ ماں کی زندگی میں گھر ہوتے سوتے روٹی سالن چھوڑ کو ملد روٹی اور باسی تباسی دال میں شریک ہوتا بیوی کی کیفیت دیکھکر ماں کے ساتھ کھانے لگا اب بھی اس نے اتنی انسانیت کی۔ بیوی سے پھر کہا کہ اگر اپنے قصور پر نادم ہو جاؤ تو کچھ نہیں بگڑا۔ میں تمہاری مصالحت کرادوں مگر اس کم بخت کے سر پر ایسا جن سوار تھا کہ فاقے کیئے۔ ہاتھ پاؤں جلائے مصلحے پیسے سب ہی کچھ کیا۔ مگر میاں کا ہی کہنا نہ کیا۔

یہ درست ہے کہ اگر ساس کو بہو کی ان تکالیف کا علم ہو جاتا تو وہ ضرور کچھ نہ کچھ انتظام کرتیں۔ اپنی ماما کو بھیکر پکواتیں اپنے ہاں سے پکوا کر بھیجتیں کوئی نہ ہوتا تو وہ اس مزاج کی عورت تھیں کہ خود جا کر پکاتیں اور بہو کو کھلاتیں مگر سائرہ نے تو یہ تہیہ کیا تھا کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔

(۳۷)

مولوی صاحب کو گئے ایک حساب سے آٹھ اور ایک سے تقریباً نو برس ہو گئے۔ سائرہ کو دو دن کی دلہن چھوڑ کر گئے تھے اب ماشاء اللہ اس کا پہلوٹھی کا بچہ ان گئے میں تھا۔ کوئی خط پتر خیر خبر مطلق نہ معلوم ہوئی۔ مولوی صاحب کے بڑے صاحبزادے جو کسی جگہ پیشکار رہتے تھے۔ اتفاق سے کسی انگریز کو بمبئی تک پہنچانے گئے۔ بمبئی پہنچکر خیال آیا کہ ابا کا حال جب سے گئے ہیں معلوم ہی نہیں ہوا۔ خبر نہیں۔ جیتے بھی ہیں؟ یہاں تک آیا ہوں تو لگتے ہاتھ یہ بھی پتا لگاتا چلوں۔ لوگوں سے سنا کہ حجاج کا ایک قافلہ بیت اللہ سے واپس آیا ہے۔ سنتے ہی پہنچے ایک شخص نے مولوی صاحب کا پورا

حلیہ بیان کرکے نہایت افسوس سے کہا میں اور مولانا ایک ہی جگہ مقیم تھے میں بھی چوتھے
برس وطن جا رہا ہوں اُن کا ارادہ بھی اس سال واپسی کا تھا۔ ہشتم ذالحجہ تک خاصے
اچھے رہے۔ رات کو قافلہ کے ساتھ سفر کیا۔ عرفات پہنچکر بخار چڑھا دو گھنٹہ میں رخصت
ہوئے۔

اول تو حاجی اس پر دیکھنے میں مرد معقول۔ ساٹھ ستر برس کی عمر سفید ڈاڑھی
نورانی چہرہ کوئی وجہ نہ تھی کہ اُنکے کہنے کا یقین نہ آتا۔ جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت
نہیں بہکانے کا کوئی سبب نہیں اہل قافلہ میں سے ایک اور شخص نے اس بیان کی
تائید کی۔ یقین حق الیقین ہوگیا۔ منجھلے بھائی کو جو ضلعدار تھا فوراً تار دیدیا
اور ایک خط گھر لکھدیا۔ بھائی اتفاق سے رخصت پر تھا تار اور خط دونوں ساتھ پہنچے
تار کا نام سنتے ہی عورتیں بدحواس ہوگئیں۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ مولوی صاحب
کی طرف کسی کا دھیان بھی نہ تھا کیا مبارک خاندان تھا۔ جب تک تار پڑھا جائے
بچے سے لیکر بڈھے تک سب کی زبان پر الٰہی خیر تھا۔

لڑکے نے تار پڑھ کر ضبط کی کوشش کی مگر کچھ ایسا جوش آیا کہ ماں کے گلے
لپٹ کر رونے لگا۔ غرض سب کی آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے گھنٹہ ہی بھر کے اندر
اندر تمام شہر میں مشہور ہوگیا۔ مولوی صاحب کے محاسن اخلاق علمیت فضیلت خدا پرستی
دینداری کا سکہ دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ شہر بھر کا مجمع ہوگیا۔

گھر میں عورتوں کی یہ حالت تھی کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ عابد کی والدہ ماجدہ
گو سب بہوؤں کی آنکھ سے زار و قطار آنسو مگر کیا مجال جو ایک لفظ ناشکری کا زبان سے
نکل گیا ہو۔ بیٹا ایک طرف پتھر بنا بیٹھا تھا۔ بیٹی دوسری طرف سر منہ اوندھائے لیٹی
تھی۔ دو تین روز تک یہی کیفیت رہی آخر رفتہ رفتہ سب کو صبر آگیا۔

مولوی صاحب کی موت کا اثر ہوا تو کیوں نہیں مگر پھر بھی کم ہوا اول تو

اُنکی واپسی کی امید ہی کم تھی۔ دوسرے آٹھ نو برس کی مفارقت نے یوں بھی طبیعتوں
کو عادی کر دیا تھا۔ بڑا لڑکا جو پانچ برس سے پردیس میں تھا اس موقع پر تین مہینے
کی چھٹی لیکر گھر آیا منجھلا پہلے ہی سے موجود تھا موت کا اثر دسویں تک تو کچھ رہا بھی
اور پھر خاصی گہما گہمی ہو گئی۔

اس معاملہ میں سائرہ کی حالت بہت ہی قابل افسوس رہی بہو ہو کر غیروں سے
بھی بدتر نکلی۔ برائے نام آئی دو چار منٹ بیٹھی اور چلی گئی۔ آنکھ میں آنسو کے بدلے
میل نہیں۔ چہرے پر افسردگی نہیں ذرہ برابر ملال نہیں۔ رتی بھر خیال نہیں
سُسرے کا غم نہ میاں کا خوف ساس کی شرم نہ دنیا کا لحاظ کھلکھلاتی ہوئی آتی
اور ہنستی ہوئی چلی جاتی۔

عابد سیدھا تھا یا سادہ کچھ ہی تھا اتنی عقل رکھتا تھا کہ ان معاملات کو سمجھتا
اور ان تعلقات کو پہچانتا تھا۔ بیوی کو دیکھ دیکھ کر آنکھوں میں خون اترتا جسم میں شعلے
اُٹھتے مگر کچھ کہہ سکتا تھا نہ کر سکتا تھا۔

(۳۸)

عابد جیسے مزاج کے آدمی کو سائرہ نے یہاں تک لا ڈالا کہ دن رات میں سینکڑوں
مرتبہ غصہ آتا بیسیوں مرتبہ لڑائی ہوتی مگر پھر بھی چونکہ اس کا مسلک صلح کل تھا اور
بردباری اس کی طبیعت میں ودیعت تھی اس حالت میں بھی وہ حتی الوسع اس بات
کی کوشش کرتا رہتا کہ کوئی جھگڑا نہ ہو۔

عابد جس قدر ان آفات سے یہاں تک پہلو بچاتا تھا کہ کبھی کسی معاملے میں
تعرض بھی نہ کرتا جو اس کی سمجھ میں آتا وہ کرتی مگر آٹھوں پہر کی کل کل ہر وقت
کی چٹ پٹ خواہ مخواہ کے جھگڑے بے قاعدہ کی شرارتیں آخر کہاں تک وہ گوارا کرتا
مرد تھا خاوند تھا مفلس تھا دست نگر نہ تھا وہ اس کا کیا بندوبست کرتا اور

کیونکہ مان لیا کہ نماز گھر میں پڑھا کرو مجھ کو اکیلے ڈر لگتا ہے۔ دروازے پر کوئی آواز دے ڈیوڑھی سے باہر نہ جایا کرو۔ ماں بہنوں کے پاس جاؤ تو مجھ سے کہکر۔ بھائی بھاوجوں کے پاس جاؤ تو مجھ سے پوچھکر۔

عابد جیسا متحمل مزاج آدمی ہونا مشکل ہے ایک عرصہ تک اس کی یہ بھی تھوڑی بہت برداشت بلکہ تعمیل کرتا رہا۔ عشا کی نماز گھر میں پڑھنے لگا۔ ڈیوڑھی میں تو لوگوں سے بات نہ کی مگر گلی سے باہر بھی نہ نکلا بڑے گھر میں پوچھکر نہیں تو بے کہے بھی نہیں گیا جب سب طرف سے تھک گیا اور ہر طرف سے ناامیدی ہو گئی۔ طرح دیتے دیتے ہار گیا اور درگذر کرتے کرتے تنگ آ گیا تو اس کو یقین ہوا کہ چاہے یہ مکان اپنی جگہ سے سرک جائے مگر بیوی اپنی عادت سے باز آنیوالی نہیں مجبور بات چیت میں کمی کی اس سے بھی کام نہ نکلا تو آمد و رفت۔ یہ بھی بے سود رہا تو رات کو بھی ماں ہی کے ہاں سونے کا ارادہ کر لیا۔

ساس ہو تو ایسی ہو۔ رات کو عابد سو رہا اُنکو اس وقت خبر بھی نہ ہوئی صبح کو اٹھیں تو عابد کو دیکھکر سینکڑوں ہی باتیں سنائی ہونگی۔ اس قدر لعنت ملامت کی کہ پھر کبھی عابد کی ہمت نہ ہوئی کہ بیوی کو اکیلا چھوڑ یہاں آ کر سونے کا ارادہ کرتا۔ لیکن اب عابد کے تعلقات بیوی کے ساتھ برائے نام تھے۔ تین تین چار دن بات کرنے کی نوبت نہ آتی۔ دس بجے رات کے آیا اپنے ہاتھ سے بچھونا کیا اور پڑ رہا۔ صبح منہ اندھیرے اٹھا اور چلدیا۔ میاں کا یہ رنگ دیکھ کر سارہ نے بہتیرے ہاتھ پاؤں پیٹے۔ مگر عابد کا طرز عمل بہت ٹھیک تھا کہ ایک چپ سو کو ہراتی ہے۔ ایک کہی نہ دو۔ رات ہوئی تو پڑ کر سو رہا۔ صبح ہوئی تو اٹھکر چلدیا۔ ساس کا جو اول دن سے معمول تھا آج تک اس میں کمی نہ کی عصر کی نماز پڑھ کر ایک پھیرا کر جاتا۔ تھوڑی دیر بیٹھتا اور چلا جاتا بیٹی کو آنا

اور پچیس روپے ہاتھ میں سے جاتا دیں تنخواہ کے پندرہ اپنے پاس سے ،

میاں کو جم کر کھڑا ہوا دیکھ کر اور اس پر چیز متنفر پا کر سائرہ نے ایک کوشش بھی
کی کہ سسرال کو بالکل ہی آگ لگاؤں اور میکا آباد کروں لیکن شاکرہ اگرچہ
اور دو ایک موقعوں پر کسر کر گئی مگر اس معاملے میں سائرہ کو پیچھے پر ہاتھ ہی نہ
دھرنے دیا۔

اب ایک سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ بڑا لڑکا ماشاء اللہ نویں میں تھا مگر
سوا کھیلنے کے اس کو اور کام نہ تھا۔ دن نکلے جاتے تھے اور تعلیم کا انتظام خاک
نہ ہوتا تھا۔ عابد کبھی زبردستی لے بیٹھتا مگر مار وہ نہیں سکتا تھا گھرک وہ نہیں
سکتا تھا۔ ذرا سخت آواز سے بولا اور سائرہ بچے کو پکڑ کر لے گئی۔ عابد کہتا تھا لڑکا
عالم فاضل نہ ہو تو جاہل بھی نہ رہے۔ سائرہ کہتی تھی ہمارے ہاں بچوں کو مار
پیٹ نہ ہم پیٹنے دیں گی تو نہ جائیں۔ نصیب میں ہوگا تو آپ ہی آ جائیگا۔ بڑے گھر میں
بچے ترمانے پائے۔ ہم کا سیپارہ ختم ہو چکا تھا۔ اب سائرہ نے باپ کے پاس
آنے کی قطعی ممانعت کر دی جو کچھ پڑھا تھا سب چوپٹ ہو گیا۔ صبح سے شام
تک یا کنکوے یا گلی ڈنڈا کبھی ڈور لوٹ رہی ہیں کبھی گلی برج ہو رہا ہے کہیں
گالیاں کھائیں کہیں گھرکیاں سنیں کہیں پٹے۔ اگر موقع واردات قریب ہوا
اور بچے کی رونے کی آواز کان میں آ گئی۔ سائرہ ننگے پاؤں اور ننگے سر گلی ڈنڈا
ہوا تو دروازے پر پتنگ بازی ہوئی لڑکے پر جا پہنچیں دو چار کوسنے دیئے
(مگر کم کو ہ اپنے بچے کو نہیں اوروں کو) اور بچے کو لے آئیں۔

نیا طعنوں کی ایک میں صید تھی چودہ دن سے ہاتھ لگا ہوا تھا کچھ نہیں تو
سو سوا روپے کی بربادی کا اوسط فریقین کا ہوگا۔ لڑانے والے دونوں طرف پیچ
کے تھے مگر ایک پیچ اتفاق سے ڈھیل کا ہو گیا کچھ ایسی گرہ پڑی کہ جھکے کے جھکے

اور ٹھاڑیوں کی ٹھاڑیاں دونوں طرف خالی ہو گئیں ورنہ ادھر ہوا نہ اُدھر ہوا تھی
کم۔ دونوں لڑکوں نے پٹیا چھوڑ دیا۔ سائرہ کا لڑکا جس وقت پتنگ بازی شروع ہوئی تھی
روٹی بھی کوٹھے پر کھاتا تھا پیچوں کے کٹنے کا اس طرح انتظار کرتا تھا جس طرح مردوں کا
گڈ۔ ڈور کا نیچے ہوتا تھا کہ پیٹے میں لالنگر ڈال دونوں گڈیاں توڑ لیں۔ اتنی
کر رہا تھا کہ ایک بیس پچیس آدمیوں کا ٹھٹ کا ٹھٹ نکل چلا آتا ہوا دروازے پر
آپہنچا اور بگڑنا شروع کیا۔ عابد باہر نکلا تھا بھی نکلے فصلدار بھی نکلے سنبھلا
تھا آدمی سمجھدار آہستگی سے گفتگو کرنے لگا مگر بڑے صاحب پتنگباری کی ہوا
میں چڑھے ہوئے تھے ذرا ڈانٹ کر بولتا تھا کہ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر
ٹینٹوا پکڑ لیا۔ گیا وہ بیس بلکہ پچیس ایک سے ایک بدمعاش اور ایک سے ایک نہنگ۔ بچا
پے جائے گئے تین آبرو دار بھلے مانس۔ خیریت یہ ہوئی کہ غل غپاڑہ سنکر محلے والے
نکل آئے اور بیچ بچاؤ کروا دیا ورنہ سب عزت آبرو رخصت ہو جاتی اور جو پیچ پوچھو
تو ہو ہی گئی۔

پھر چھٹ گئی تو ایک بزرگ جو عمر میں مولوی صاحب مرحوم سے بھی دو چار برس
بڑے ہونگے بڑے لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھک میں لے گئے اور ٹھوڑی میں ہاتھ دیکر
نہایت محبت سے فرمانے لگے۔ برخوردار اس قدر سمجھدار آدمی ہوکر ایسی چھچھوری
باتیں آج کو پتنگباز ہوئے کل کو خدا کرے تحصیلدار ڈپٹی ہو۔ مگر میاں اس احاطہ
کے اندر تو تم وہی زاہد علی بلکہ نرے زاہدی ہو پتنگباز ہی کیا اگر لاٹھ صاحب کی حیثیت
سے بھی آ نکلو تو یہ لوگ تم سے ڈرنے والے نہیں۔ حکومت تو باہر ہی خوب سجتی
ہے۔ شہر میں آکر حکومت کرنی مفت کی ذلت اٹھانی ہے تم ہی سوچو جن لوگوں نے
ہمیشوں تمہارے ساتھ پڑھا برسوں تمہارے ساتھ کھیلے دنوں اور راتوں تمہارے
ساتھ رہے اور جلیس ہیں آج تم انکو حقارت کی نظر سے دیکھو تو کس قدر ناگوار ہونے کی

بات ہی۔ اور پھر قصور تو سراسر تمہارا۔ بھتیجے کو سمجھانے سے رہے اُلٹے اُن ہی کو
بُرا بھلا کہنے کھڑے ہو گئے۔ تم کو کتنا ہی عروج کیوں نہ ہو اور کیسے ہی مفلس و محتاج
کیوں نہ ہوں۔ انکی عزت کرنی تمہاری کسر شان نہیں ہے۔ میری عمر بھی پردیس میں
گذری ہے۔ بحمد اللہ لایزال یقین کرکے اتنا جب کسی شخص سے سنتا تھا کہ دہلی کا
رہنے والا ہے چاہے جان پہچان ہو یا نہ ہو جان میں جان آجاتی تھی۔ تعجب ہے کہ کس طرح
تم نے ایک غریب ہمسائے پر ہاتھ اُٹھایا۔ مولوی صاحب مرحوم محلے والوں پہ جان چھڑکتے
تھے۔ تم نے جنکو کم استطاعت اور ذلیل سمجھا وہ خود انکے گھروں پہ جاتے تھے ذرا
کوئی بیمار ہوتا تھا تو گھنٹوں جا کر بیٹھتے میاں زاہد میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے
یہی تمہاری اسیہ بیہاری کا لڑکا بھاگا ہوا آ رہا تھا اور وہ مسجد سے نکل رہے تھے۔
لڑکے کا پاؤں پھسلا ایک ٹوٹی سی بوتل میں تیل تھا وہ بھی تمام اوندھ گیا۔ تمہارے
والد مرحوم اس بچے کو گود میں لیجا کر تیل لائے اور گھر تک پہنچا دیا۔ یہی وجہ تھی کہ تمام
محلہ اور شہر کیا امیر اور کیا غریب کیا بچہ اور کیا بڈھا کیا عورت اور کیا مرد انکو دعا دیتے
انکے سامنے یہ محلہ گلزار بنا ہوا تھا صبح کا وقت تو خیر عام تھا مگر شام کو جس وقت باہر تشریف
لاتے تھے عجیب عالم ہوتا تھا ہی بیاہی اور بیٹے انکے صلاح کار ہوتے اور یہی مارکش
اور ملانے انکے مشیر کیا ضابطہ کی پابندی تھی کہ عصر کے بعد ہر ایک کو پہنچ جانا اور
دن بھر کی روداد سنا دینی۔ ذرا کسی کی تکلیف سنتے تھے تو بیچین ہو جاتے تھے۔ جان سے
مال سے کبھی دریغ ہی نہ کیا۔ آدھی ہو یا پچھلا۔ جس کسی نے جا کر آواز دی عصا ہاتھ
میں لیا اور ساتھ ہو لئے۔ اُن کا رعب بھی اس قدر غالب تھا کہ اچھے اچھے
جوانوں بھی انکو دیکھ کر سہم جاتا ہوتی تھی۔ کس کی مجال تھی جو ایک دوسرے پر ظلم کر سکے
ذرا ہوا اُن اور تیہوے سے جا کر پوچھو وہاں رونق بنا دیتا ہو گا۔ شہر میں یہ چھوٹی کاٹی
پڑے ہوئے جیسیاں ہوئیں۔ ڈاکے پڑے۔ تم نے بھی کبھی سنا کہ تمہارے محلے سے

چور پکڑا گیا یا نکلا ادھر سے اُدھر ہوا۔ یہ اُن ہی کے دم کی برکت تھی کہ ہر قسم کا اطمینان تھا۔
رات کو سونا اچھالتے چلے جاؤ اور کوئی آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے۔ انکے سامنے کبھی کسی کو عدالت
تک جانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ انکا منہ موڑنا تھا کہ محلے کی خاک سی اُڑ گئی۔ سب ایک
ایک کر کے رخصت ہوئے وہ صورتیں خاک میں چھپ گئیں ایک میں بدنصیب انکے رونے
کو باقی رہ گیا اب جس طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا ہوں رنگ ہی اور چھایا ہوا ہے
یاروں میں یاری نہیں۔ عزیزوں میں محبت نہیں دوستوں میں مروت نہیں۔ ایک
دوسرے کی جان کا دشمن خون کا پیاسا، عزت کا لاگو۔ وہی محلہ اب ہے کہ سب اپنے
مطلب کے آشنا غرض کے بھوکے مال تاڑتے پڑی ہو بیٹا ڈٹ ڈٹ کر کھا رہا ہے
ایک اللہ کے بندے مولوی صاحب تھے کہ جن سقّی تک کے گھر کی خبر رکھتے تھے
کہ کیا پکا اور کیا کھایا۔ اب اس محلے کو دیکھکر کلیجے پر سانپ لوٹتا ہے۔ کچھ ایسی ہوا چلی
کہ اُن میں کا ایک بھی نہ رہا۔ دور کیوں جاؤ اپنی مسجد ہی کو دیکھ لو۔ مغرب کے وقت
تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی تھی اب ایک بیچارے امام الدین رہ گئے ہیں۔ آپ ہی
موذن آپ ہی مکبر۔ آپ ہی امام۔ کبھی کوئی بھولا بھٹکا آ گیا تو آ گیا نہیں تو آپ ہی
اذان کہی آپ ہی نماز پڑھ لی۔ اب آٹھ برس کے لڑکے کو بھی دیکھتا ہوں تو لٹو بوٹ
کے زمین پر پاؤں نہیں پڑتا۔ دو حرف پڑھ لیئے منہ میں چرٹ دبایا پائجامہ میں جیب
لگوائیں اور صاحب بہادر ہو گئے۔ تم ہی بتاؤ تم کو بھی آئے ہوئے بیس پچیس دن ہو گئے
تم نے کسی بھلے مانس کا پاجامہ بھی ٹخنوں سے اونچا دیکھا۔ موریاں ماشاء اللہ ایسی
کہ ایک چھوڑ چار ٹانگیں ڈال لو۔ موزے چاہے چکٹ ہی ہوں مگر ہوں ضرور۔ ٹوپی
میں پھندنا بھی ہو آستینوں پر چٹ لگی ہوں۔ گلے میں کالر بھی ہو گھر میں فاقہ ہو تو
بلا سے مگر باہر کی ٹیپ ٹاپ میں فرق نہ آئے۔ صاحبزادو میں نے تمہارا بہت سر
چاٹا برا معلوم ہو تو معاف کرنا (تینوں بھائی موجود تھے)

بڑے میاں کی تقریر کچھ ایسی موثر تھی کہ تینوں کے آنسو نکل پڑے عابد کو ادھر تو
بیٹے کی نالائقی کا خیال اُدھر بھائی کی بے عزتی کا ملال سب سے زیادہ بڑے میاں
کی وعظ کی تاثیر جب دونوں بھائی گھر میں چلے گئے تو وہ اپنے ہاں آیا۔ بیٹا زمین
میں لوٹ رہا تھا اور ماں سے کہہ رہا تھا "ہائے اماں جی ہائے میرا ڈور کا گولہ دے"۔ عابد
کا ارادہ لڑکے کو مارنے کا ہرگز نہ تھا مگر گھرکنے کا ضرور تھا۔ گود میں اُٹھا کر اندر لایا
اور رسی سے دونوں ہاتھ باندھ کر کہنے لگا چل تجھ کو کنوئیں میں لٹکاؤں۔ یہ کہہ کر لے چلا۔
دروازے تک پہنچا تھا کہ سائرہ چیختی چلاتی آئی اور عابد کی کمر سے لپٹ گئی۔ ہر چند
اس نے آنکھ سے سمجھایا اشارے سے منع کیا مگر وہ کس کی سننے والی تھی وہ چیخم
دھاڑ مچائی کہ ساس جیٹھ اور جیٹھانیاں گھبرا کر آ گئے۔ عابد بچے کو چھوڑ کر باہر
چلا گیا۔ دونوں جیٹھ ہنسنے لگے۔ ساس خاموش ہو گئیں مگر منجھلی نے اتنا کہہ ہی دیا۔ "
بوا۔ اچھے فیل مچانے آتے ہیں۔ ہم نے جانا خبر نہیں کیا آفت آئی۔"

سائرہ۔ آفت پڑے میرے دشمنوں پر جھپھر کنوئیں آنے لگی اتنا کچھ ہو گیا۔
تمہارے نزدیک کچھ ہوا ہی نہیں بچے کو جان سے مار ڈالتے تو تم جانتیں کچھ ہوا۔ منجھلی
کچھ جواب دینا چاہتی تھی مگر ساس سمجھا کر اپنے ساتھ لے گئیں۔

ماما کی وہ لڑکی جس کی سائرہ امین تھی۔ اب خاصی بڑی ہو گئی۔ ساس کی
دور اندیشی دیکھو صرف اس خیال سے کہ لڑکا بھی جوان ہے گھر میں جوان لڑکی کا رہنا
ٹھیک نہیں اس کی نسبت ٹھہرا دی اور سائرہ کی اس عقل کے صدقے سمجھ میں
یہ آئی کہ مجھ کو تکلیف دینے کی غرض سے اس کو علیحدہ کرتی ہیں۔ کوشش تو بہت کی
مگر چلی ایک بھی نہیں۔ ساس نے تاریخ مقرر کر نکاح کر دیا۔ بڑھیا یہ تو ساس سے بھی کہہ
گئی تھی کہ چھوٹی دلہن کے پاس میرے روپے جمع ہیں۔ لڑکی کے وقت پر کام آئینگے
مگر یہ نہ بتا گئی تھی کہ کتنے ہیں۔ اب ضرورت ہوئی تو بہو سے استفسار کیا مگر وہ اری

نا ہنجار سائرہ صاف انکار کر گئی۔ بہو کے مکرنے سے ساس کو افسوس تو بہت ہوا مگر
یہ سمجھ کر بات کو دبا دیا کہ اگر اس کی بدنامی ہوئی تو کس کی۔ وہ بھی تو میری ہی ہوئی۔
بیوی کے ہاتھوں عابد کا دم یہاں تک ناک میں آیا تھا کہ وہ بسا اوقات اپنی
زندگی سے موت کو غنیمت سمجھتا تھا مگر خدا کا فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں۔ اگر
شریعت اس کے مزاج میں اس قدر گھسی ہوئی نہ ہوتی تو خدا جانے وہ اب تک کے دفعہ
خودکشی کا ارادہ کر چکا ہوتا۔ سائرہ کی صورت سے اس کو یہاں تک نفرت ہو گئی
تھی کہ دیکھنے تک کا روادار نہ تھا جو کہہ سکتا تھا وہ کہہ لیا جو کر سکتا تھا وہ کر لیا۔
لڑ کر دیکھا اکڑ کر دیکھا مل کر دیکھا بگڑ کر دیکھا مگر کتے کی دم جب دیکھی ٹیڑھی۔ بیوی کے ساتھ
تو خیر جیسی گذرنی تھی گذری اب پورا اندیشہ اولاد کا تھا۔ لڑکے کو دیکھتا تھا تو بے
ادب۔ لڑکی کو دیکھتا تھا تو بد تمیز۔ غرض چاروں پانچوں ایسے بے تربیت اٹھے کہ دعا
نہ سلام۔ بات کرینگے تو جیسے پتھر کھینچ مارا۔ کام کرینگے تو گویا بیگار ٹالدی۔ لڑکا ہے کہ
عادات قبیحہ میں لتھڑا جوان ہوتا چلا آرہا ہے۔ لڑکی ہے کہ نالائقوں کا پہاڑ اٹھتا
چلا جا رہا ہے۔ غرض کیا بڑا اور کیا چھوٹا کیا لڑکا اور کیا لڑکی سب ایسے ناہموار اٹھے
کہ استغفر اللہ۔ چار برس کی لڑکی اماں نہ کہتی باپ نہ کہتی باوا کہتی مگر وہ تو خاصی اچھی چیخ
پکار پکار کر عابد کہتی تھی وہ اتنی سی تھی بھی گود میں آتی تھی تو ڈاڑھی کھسوٹتی ہوئی۔

(۳۹)

منجھلے کی چھٹی ختم ہونے آئی تو اپنے افسر یا کسی دوست کے واسطے ایک درجن چاء کی
پیالیاں اور چھ طشتریاں لا کر بیوی کو دیں کہ احتیاط سے رکھدو۔ بیوی نے اٹھا کر
الماری میں رکھدیں۔ بھتیجا کھیلتا ہوا چچی کے کمرے میں جا پہنچا۔ گلی کا ڈنڈا ہر وقت ہاتھ
میں رہتا تھا (رات کو ساتھ لیکر سوتا۔ صبح کو ہاتھ میں لیکر اٹھتا) دیواروں پر پٹختا
ہوا الماری کے پاس پہنچا۔ چچی اتفاق سے موجود نہ تھی۔ ایک ڈنڈا جو رسید کیا تو

پانچ پیالیاں چھن سے نیچے آپڑیں منجھلی بیچاری گھبرا کر کمرے میں آئی۔ دیکھا تو بھتیجے صاحب ٹکڑے سمیٹ سمیٹ کر کرتے میں رکھ رہے ہیں ایک دھوکا اس زور سے دیا کہ لڑکھڑاتا ہوا آگے جا پڑا۔ پیالی کا کرا کنپٹی میں چبھ گیا۔ ذرا سا خون نکل آیا بچہ روتا چیختا ہائے مار ڈالا کہتا ہوا اماں کے پاس پہنچا۔

باپ کی تو اتنی مجال تھی ہی نہیں کہ لاڈلے کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ لے چچی بیچاری تو کس گنتی میں تھیں۔ بچے کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ لئے ہوئے دروازے ہی میں سے نکارتی ہوئی آئی اور جٹھانی کے آگے لا کر پٹخ دیا کہ اب تم اس کو جان سے مار ڈالو کہ ٹھنڈک پڑ جائے۔ ابھی تو میں جیتی بیٹھی ہوں۔ بے وارثا تھوڑی ہے جس نے چاہا کچھ مار دیا میں تمہارے نام پر جوتی بھی نہیں مارتی۔ تم بیچاری میرے بچے کو ہاتھ لگانے والی کون۔ قربان کی تھیں ایسی دادی چچیاں لڑکے کو لہولہان کر دیا اور سب بیٹھے دیکھتے رہے۔

منجھلی۔ بیوی ذرا زبان سنبھال کر بات کرو۔ یہاں تمہارا کوئی دبیل نہیں ہے اتھاص اٹھا ئینگی تو سامی اٹھا ئینگی یا میاں دوسرے کی جوتی کو بھی غرض نہیں ہے کہ تمہاری باتیں سنے۔ میں تم سے بات نہیں کرتی تم کو خدا نے اس لائق ہی نہیں کیا کہ کوئی تمہارے منہ لگے۔ اندر آ کر پھوٹی آنکھوں سے دیکھو لڑکے نے کیا آفت ڈھائی ہے سمائی رہو۔ کیا آفت ڈھائی ہے کسی کو جان سے مار ڈالا تم ہی کلموئیوں کے کارن میں نے اس گھر کو آگ لگائی پھر بھی صبر نہ آیا۔ ذرا سی دیر کو بچہ آجاتا ہے تو پیٹنا پڑ جاتا ہے مفت کا بچہ تھا نہ کہ مار لیا۔

منجھلی کلموئیوں کے سر پر سینگ تھوڑی ہی ہوتے ہیں ہم تو چین سے اپنے گھر میں بیٹھے ہیں جس کا منہ تمام جہان میں کالا ہو رہا ہے وہی کلموئی ہے الگ گھنڈلے میں پڑی سڑا کرے کوئی جا کر تھوکتا بھی نہیں ہے۔ دیکھو یہ پیالیاں ابھی ابھی

لگانا بھی تو نصیب نہیں ہوا کمبخت پانچ پیالیاں ٹکڑے کر دیں اس کو تو مارنے سے رہیں اور الٹی حمایت لینے کو آگئیں۔

سائرہ۔ بچوں کا کام ہی ہے تم نامراد بچوں کی قدر کیا جانو۔

منجھلی۔ نامراد ہوگی تم تمہاری سات پشت جہاں تک طرح دئے جاتی ہوں دماغ ہی پر چڑھی جاتی ہو اپنے ظلمی بچے خدا تمہیں کو نصیب کرے میرے ہاں ہوں تو گلا گھونٹ دوں یا زہر دیدوں۔

سائرہ۔ گلا گھونٹو اپنا زہر دو اپنے پیاروں کو اپنے بھتیجوں کو اپنے بھائی کو بھتیجا بھتیجی کو بھانجا بھانجی کو میرے بچوں کو کہو تو خاک میں نہ ملا دوں۔ آگ لگا دو تم کمبخت کے منہ کو۔

منجھلی۔ آگ لگاؤ اپنے منہ کو اپنے اماں باوا کو بہن بھائیوں کو۔

دیورانی جیٹھانیوں کی لڑائی لحظہ بہ لحظہ بڑھتی چلی جاتی تھی اور ساس غریب بدنصیب کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ تمام ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے تھے کبھی منجھلی کو آ کر سمجھاتی تھیں کبھی چھوٹی کو۔ چھوٹی کا کچھ اور بس نہ چلا تو دونوں ہاتھوں سے منہ پیٹ لیا اتنے میں بڑا لڑکا اندر آیا دیکھا تو کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے منجھلی تو جیٹھ کی صورت دیکھتے ہی دوپٹہ اوڑھ سر ڈھانک ترنت سے بیٹھ گئی مگر چھوٹی جیٹھ کو دیکھ کر اور زیادہ رنگ لائی وہ بیچارا چبوترے پر آ کر متحیر کھڑا ہو گیا ماں کو دیکھا تو چہرہ سفید پڑا ہے۔ بھاوجوں کو دیکھا تو ایک سر پیٹ رہی ہے ایک کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ بھتیجا زمین میں ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ بھتیجی اماں اماں چیخ رہی ہے بیچ کے در میں بہن ساکت کھڑی ہے۔ باورچی خانے میں بیوی گم سم بیٹھی ہیں بہ ہزار دقت اور خرابی سائرہ کو سمجھا بجھا کر پانی پلایا اور وہاں سے اٹھا کر دالان میں لائے۔

سائرہ جس وقت علیحدہ ہوئی ہے ساس اور میاں نے ہر چند منع کیا کہ صرف ضرورت
کی دو چار چیزیں ساتھ لے جاؤ۔ باقی رہنے دو۔ یہ بھی نہیں کہ جہیز اتارنے کو معمولی
طور پر کہہ دیا ہو۔ بلکہ نشیب و فراز دکھا کر اور اونچ نیچ سمجھا کر۔ مگر اس اللہ کی بندی نے
خاک نہ سنا زیور کا صندوقچہ جہیز کے کپڑے تانبے کے برتن غرض جھاڑو کا تنکا تک
جو اس کے نام کا تھا یا ہو سکتا تھا ساتھ لے گئی۔

دنیا میں سب ہی قسم کے لوگ ہوتے اور محلے میں ہر وضع کے آدمی بستے ہیں برابر
میں ایک درزی کا گھر تھا اس کا لڑکا آوارہ عیاش بدمعاش شراب کا لتیا جوئے
کا ہتیا غرض مجسم نالائق تھا بی سائرہ کو تو اپنے جوش میں کچھ ہوش ہی نہیں دروازہ
چوپٹ کھول لڑنے چلی گئیں۔ درزی کا لڑکا خدا جانے کب سے تاک میں تھا۔ اسی
موقع کو غنیمت سمجھ اپنی دیوار سے چھت پر کود زینے سے نیچے اتر آیا۔ زیور کا صندوقچہ
عقل کی دشمن نے سامنے ہی کی الماری میں اوپر کے تختے پر رکھ چھوڑا تھا۔ بغل میں
دبا سیدھا ہو لیا۔

تقدیر کا لکھا کس طرح آگے آتا ہے۔ چوری سے چار دن پہلے ماموں کے ہاں بسم اللہ
میں جانے لگی گہنا نکال کر دیکھا تو گلوبند کا ڈورا بالکل ٹوٹا ہوا۔ منجھلی کا گلوبند
منگوا کر پہن گئی واپس آئی تو اپنے گہنے کے ساتھ صندوقچے میں رکھ دیا وہ بھی گیا۔
چوری کا حال تین دن تک تو معلوم بھی نہ ہوا۔ چوتھے دن جا کر رہی جب منجھلی نے
اپنا گلوبند منگوایا ہے تو دینے اٹھی دیکھا تو صندوقچہ ندارد سارا گھر تلپٹ کر ڈالا
صندوقچہ ہو تو ملے رونے پیٹنے لگی۔ ساس نند دیورانیاں جٹھانیاں دیور جیٹھ
سب ہی نے تلاش بہت کچھ کیا مگر خاک پتہ نہ ملا۔ سب صبر کر کے بیٹھ گئے۔ کسی نے
کچھ کہا کسی نے کچھ کسی کو یقین آیا کسی کو نہ آیا کوئی چوری سمجھا کوئی مکاری

سنبھلی کچھ بولنا چاہتی تھی مگر ساس نے تیور دیکھتے ہی کہدیا بیٹی تمہاری بلا سے گیا تو میرا گیا ان کا بھی جس طرح ہوگا بنوا دوں گی تم اپنے گلوبند کا فکر نہ کرو میرا رکھا ہوا ہے ابھی چلکر دیدیتی ہوں چھوٹی دلہن بیٹی جو ہونا تھا وہ ہوگیا تم اپنا دل نہ کڑھاؤ۔ اسی دن کے لئے تم کو منع کیا تھا رہتا تو تمہارے ہی کام آتا تین لڑکیوں کا ساتھ ہے کیا کرو گی کہاں سے لاؤ گی میرے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارا ہی ہے تم کو ننگا بٹھا کر میں پہنتی اوڑھتی کیا اچھی لگو گی۔ بچوں کے وقت پر تو میں کہاں ہونگی پریشان ہو گی تو تم ہو گی۔

آدمی کتنا ہی اینٹھے کتنا ہی اکڑے مگر انقلاب زمانہ وہ بری بلا ہے کہ اچھے اچھے جوانمرد پہلوان بادشاہ اور وزیر امیر کبیر تنہ زور اور کمزور حکیم اور فیلسوف عقلمند اور بیوقوف طاقتور اور بوڑھے چشم زدن میں اس کی بدولت رنج کے تودے بنگئے سائرہ کی تو ہستی ہی کیا تھی۔ بے فکری کا زمانہ ختم ہوا۔ بچپن تو سبحان اللہ بہت ہی اچھا گذرا جوانی بھی خیر لشتم پشتم گذر گئی۔ مگر جب جوانی کا روز روشن ڈھلنا شروع ہوا تو رنج والم کی شام نظر آنے لگی۔ فارغ البالی وغیرہ جو کچھ تھی مولوی صاحب ہی کے دم تک تھی انتقال کی خبر کا مشہور ہونا تھا کہ تنخواہوں میں ڈھیل ڈھال شروع ہو گئی۔ یا تو ادھر انتیسویں دن ادھر تین تین چار چار دن پہلے آدمی آیا اور دروازے پر دے گیا یا اب مہینے کے دوسرے مہینے اور تیسرے مہینے ششماہی کا سال اور ڈیڑھ سال کچھ دن یوں بھی گذرے پھر یہ بھی نہ رہا۔ سب سے پہلے سخاوت پور کی تنخواہ بند ہوئی جو سائرہ کے نام کی تھی۔ ساس جو کچھ دیتی تھیں وہ بدستور دیتی رہیں مگر کجا بیس اور کجا پندرہ بہت ہی تنگی سے گذر ہونے لگی۔

قیاس چاہتا ہے اور واقعات مقتضی ہیں کہ سائرہ پر ان تغیرات کا زیادہ اثر نہ ہو۔ مگر نہیں یہاں آکر قیاس غلط ہوگیا اور واقعات مخالفت کرنے لگے زیور کا اثر باوجودیکہ ساس نے اس قدر تسکین کر دی بہت زیادہ ہوا۔ صدمہ اس کے دل پر

ایسا بیٹھا کہ دن کی بھوک اور رات کی نیند بالکل غارت ہوگئی۔ ہر وقت اسی میں محو رہتی
دو چار سو کا بھی نہیں ہزار ڈیڑھ ہزار روپے کا زیور سوچتی تھی اور سمجھتی تھی کہ ہزار روپے
کا زیور اگر سو دفعہ مر کر جیونگی تو میسر نہ ہوگا زیور کے صدمے سے ابھی نپٹنے نہ پائی
تھی کہ موقوفی تنخواہ سے سامنا ہوا یا تو وہ بے عقل وحشی خرچ کہ ایک کی جگہ دو اور
دو کی جگہ چار (تنخواہ کا تو اصل میں نام تھا پینتیس کے پچاس پڑتے تھے) یا اب پندرہ
ہی رہ گئے وہ بھی اس ساس کی جوتیوں کا صدقہ جس کو عمر بھر جوتیاں ماریں۔

کیا انقلاب ہے وہی سائرہ جو مغرب کے وقت سے پڑ کر ڈھیر ہو جاتی تھی۔ اب
گھنٹوں لیٹی کچھ نہ کچھ سوچتی رہتی مگر جس طرف نظر ڈالتی اور جس پہلو پر غور کرتی مایوسی
ہی مایوسی نظر آتی یہ خدا کا شکر تھا کہ بچے موجود تھے اُنکے ساتھ لگی رہتی تھی ورنہ
سائرہ کچھ اس طرح چاروں طرف سے گھر گئی کہ مخبوط الحواس ہو جاتی تو تعجب تھا۔

وہ بھی ایک زمانہ تھا کہ نہا کر اُٹھتی تو آدھی شیشی عطر کی خالی ہوتی۔ ایک یہ دن
تھے کہ لونڈیوں سے بدتر ہر ماماؤں سے بُری گت کپڑے چیکٹ سر الجھا ہوا بال بکھرے
ہوئے بدن چھپا رہا، دوپٹہ پھٹا ہوا جوتی ٹوٹی ہوئی۔

(۴۱)

جاڑوں میں ایک دن چار بجے صبح سے جو مہاوٹ پڑنی شروع ہوئی تو دس بج گئے
اور مینہ نہ تھما لڑکی نے کہا اماں آج تو بیسنی روٹی پکا لو۔ اب کہاں ہنڈیا پکاتی پھرو گی
تم بیٹھی رہو میں آٹا گوندھ کر روٹی ڈال لیتی ہوں بیسن رکھا ہی ہوا ہے سائرہ بولی۔
اچھا لڑکی نے روٹی پکائی سارے گھر نے چین سے بیٹھ کر کھائی دو بجے ہونگے کہ
بڑے لڑکے کو دست آیا۔ ایک آیا دوسرا آیا اور ایسا آیا کہ دو ہی دستوں نے
بالکل جھلنگا کر دیا چار بجے تو یہ کیفیت تھی کہ ابھی گیا اور ابھی آیا دو کی گنتی تھی
نہ چار کی دس کی نہ بیس کی پلنگ کے برابر چوکی لگا دی آٹھ دس دفعہ وہاں گیا

پھر تو اٹھنا کیسا ہل بھی نہ سکا گھر بھر میں کھلبلی مچ گئی دنیا بھر کے علاج کر ڈالے۔ مگر اس غضب کے دست چھوٹے کہ جان لیکر ہی بند ہوئے۔ بارہ بجے تک آنکھیں بالکل بیٹھ گئیں تین بجتے بجتے بچہ رخصت ہوا۔

تفکرات نے پہلے ہی سائرہ کو زندہ درگور کر دیا تھا بیٹے کا مرنا تھا کہ بالکل ہی مردہ ہو گئی سڑنوں کی طرح ادھر ادھر پھرتی اور پاگلوں کی طرح ایک ایک کا منہ تکتی گھنٹوں گم سم بیٹھی رہتی۔ راتوں پڑی روتی وہ تیہا اور تبان سب ختم ہو گئے وہ مزاج رہا نہ غصہ، وہ وقت رہا نہ بات۔ ہاں اس کی یادگار ایک کلنک کا ٹیکا رہ گیا جو قمر چہاردہم کی طرح ماتھے پر چمک رہا تھا۔ یہی علائق دنیا جنکو شیر کی طرح دبائے ہوئے تھی سر پر سوار ہو گئے۔ چاروں طرف سے نرغہ کر لیا۔ چند ہی روز میں زندگی سے بیزار موت کی دعائیں مانگنے لگی۔ مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا۔ حالت میں انقلاب عظیم۔ عادتیں چھوٹ گئیں نرا ڈھے گیا۔

جس سائرہ کو ساس کی ادنی بات کی برداشت نہ تھی اب اس قابل ہو گئی کہ آیا گیا لعنتی کا طوق پہنا جاتا اور کچھ نہ بولتی چوری اور تنخواہ وغیرہ کا اثر تکلیف دہ ضرور تھا مگر جگر خراش نہ تھا۔ مغموم رہتی تھی افسردہ رہتی تھی۔ لیکن لڑکے نے مر کر تو بالکل ہی بٹھا دیا۔ سائرہ کو یوں تو سب ہی بچوں سے بے انتہا محبت تھی اور کیوں نہ ہوتی اس کی اولاد تھی مگر اس لڑکے سے اس کو عشق تھا ذرا سر میں درد ہو جاتا تھا تو بے چین ہو جاتی تھی۔ ہائے کم بخت دنیا کیا ستم کیا جن ہاتھوں سے پرورش خدمت کی ان ہی سے نہلا دھلا کفن پہنا رخصت کر دیا۔

عابد کو بیوی سے جو کچھ نفرت پیدا ہوئی یا شکایت ہوئی وہ صرف اس کی عادات و حرکات سے۔ جوں جوں بیوی کی حالت تبدیل ہوتی گئی میاں کے دل میں محبت و موانست پیدا ہوتی گئی۔

عابد کی حالت بیوی کی طرح ویسی ابتر تو نہ تھی مگر پھر بھی وہ ماں تھی تو وہ باپ بیٹے کے مرتے ہی دنیا آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ صبح کی نماز سے فارغ ہوا اور قبرستان جا پہنچا قبر پر بیٹھا کبھی پڑھتا رہتا کبھی روتا رہتا۔

عابد کا دل بے ثباتی دنیا سے پہلے ہی بیزار تھا نظارہ قبرستان نے بالکل ہی بیکار کر دیا۔ صبح کا سہانا وقت ہوتا تھا باد نسیم ناپائیداری دنیا کے خیال کو تر و تازہ کر دیتی تھی۔ ہزاروں لاکھوں اللہ کے بندے اپنے پیاروں سے منہ موڑ عزیز آشناؤں کو چھوڑ ان قبروں کو بسائے ہوئے تھے۔ ایک شہر خموشاں بسا ہوا تھا کچی پکی قبریں پڑی پڑی تھیں بڑے بڑے سرکش اور اونچے اونچے نامدار جوانان گلعذار فقیر و تاجدار ہیچ موت کا شکار ہوئے بیکس و لاچار پڑے تھے۔ نیم۔ املی۔ گوندنی۔ شیشم کے درخت کہیں کہیں سایہ کئے ہوئے تھے۔ کوئی مونس نہ تھا ہمدم نہ تھا۔ مہربان نہ تھا۔ غمگسار نہ تھا۔ یہ بندگان خدا بے وارثے نہ تھے کوئی بھائی تھا کوئی باپ کوئی ماں کوئی کوئی بیٹی مگر رشتہ حیات منقطع ہوتے ہی سب تعلقات معدوم ہو گئے عزیزوں کے عزیز ماؤں کے بیٹے بیویوں کے سرتاج خاوندوں کی پیاریاں ماں باپوں کی دولاریاں عمر بھر کی کمائیاں بابا اور مائیاں بڑھاپے کے سہارے آنکھوں کے تارے بچھڑے سوتے تھے کوئی اتنا بھی نہ تھا کہ ان کی تنہائی پر دو آنسو بہا لے۔ ایک سناٹے کا عالم تھا کبھی کبھی فاختہ کی آواز کان میں آجاتی تھی۔ قبریں مختلف حیثیت ضرور تھیں مگر قبر والوں میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ بعض ڈھے گئی تھیں بعض بہہ گئی تھیں۔ بعض برابر ہو گئی تھیں کسی کا چونہ اکھڑ گیا تھا کسی کی اینٹیں نکل گئی تھیں۔ یہ وہ مقام تھا کہ بڑے بڑے سرکش یہاں آکر لاچار ہو گئے اور نیچا دیکھ لیا۔ جنکو اندھیرے میں نیند نہ آتی تھی مہینوں منوں مٹی کے نیچے جا سوئے۔ بچھڑنے کی حاجت ہوئی نہ چراغ کی ضرورت۔

طبیعت انسان کسی واقعہ سے متاثر ہوکر رفتہ رفتہ اس اثر کو زائل کر دیتی ہے۔ امید تھی کہ
اس اصول کے بموجب عابد کی حالت چند روز بعد درست ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا
مگر ایک یہ دقت آپڑی کہ عابد غریب کی خرمن طبیعت میں پہلے ہی وحدت کی بارود بچھی ہوئی
تھی۔ گورستان کا نظارہ ایک دہکتا ہوا انگارا تھا کہ لوازمات و فروعات سب کو جلا کر
خاک کر دیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بلاناغہ تین پہر رات سے اٹھ کر چلا جاتا اور
شاہ غفور اللہ صاحب قدس سرہٗ کی مسجد میں نماز جماعت سے پڑھتا۔ دس گیارہ بجے
کے قریب گھر آیا کھانا کھایا بیوی کو دو چار باتیں نصیحت کی سنائیں ظہر کی نماز پڑھی
اور پھر چلدیا ظہر کا گیا گیا عشا پڑھ کر آیا۔

سال بھر کے قریب عابد کا یہی حال رہا اگر ماں دست اندازی نہ کرتی تو غالباً
بلکہ یقیناً وہ اس معمول کو ترک نہ کرے۔ بیٹے کی یہ کیفیت دیکھ کر ماں کو ایک خلجان پیدا
ہوا۔ مجبوراً انہوں نے عابد کو جنگل جانے کی ممانعت کر دی اگرچہ یہ حکم عابد کے واسطے
بہت سخت تھا ہر چند تڑپا مگر سعادتمندی کے یہی معنی ہیں جس وقت سے ماں نے منع
کیا پھر ادھر کا رخ نہ کیا۔

انسان کی حالت کبھی یکساں نہیں رہتی۔ جوں جوں دن گذرتے گئے بچے کی یاد
ماں اور باپ دونوں کے دل سے کم ہوتی گئی۔ میاں بیوی میں جو چند روز کے واسطے کچھ
کشیدگی سی ہو گئی تھی وہ بھی نہ رہی سائرہ کے مزاج میں جوں جوں انسانیت آتی
گئی عابد کی طبیعت مائل ہوتی گئی۔ سائرہ کو اگر خدا عقل دیتا اور ذرا سمجھ سے کام لیتی
تو میاں اول ہی دن سے بےداموں کا غلام تھا۔ یہاں تک ہرگز کبھی نوبت نہ پہنچتی۔
مگر آدمی کچھ کھو کر سیکھتا ہے اب سائرہ یہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ میکے میں اللہ کا نام ہے ماں
کسی قابل نہ باپ کسی لائق سسرال میں لے دے کر ایک ساس کا دم ہے [illegible]
ہیں جو میرے ہونگے اگر میاں کو بھی ہاتھ سے کھوتی ہوں تو کوئی بات بھی نہ پوچھیگا۔ سائرہ

کا یہ خیال معقول تھا یا نامعقول مگر بات لگتی ہوئی تھی اور سچ پکا۔ عورت کے تعلقات
سسرال سے بالواسطہ ہیں جو کچھ وقعت وعزت ہے وہ میاں کی وساطت سے جب میاں
ہی کے دل میں گھر نہ ہوگا تو گھر والے کیا خاک عزت کریں گے۔

یہ مانی ہوئی بات ہے کہ سائرہ کی عادت اور طبیعت برسوں کی یکجائی اور یکرنگی سے
لازم ملزوم ہوگئی تھیں عمر بھر کی پڑی ہوئی عادتوں کا چھٹنا آسان بات نہ تھی اتنا
ہوگیا کہ میاں کو وقت پر کھانا مل جاتا پانی کے واسطے کھاتے کھاتے اٹھنا نہ پڑتا بچھونا
بچھا بچھایا مل جاتا بیوی کا اتنا کرنا کوئی خدمتوں میں خدمت تھی نہ اطاعتوں میں
اطاعت مگر عابد کو واقعی بہت غنیمت تھی شکایت تو ناکامی توقع پر ہوتی ہے اس سے
زیادہ میاں نے کبھی بیوی سے امید ہی نہ کی جس کے نہ ہونے سے افسردگی ہوتی۔ اب
رہیں ساس نندیں جٹھانیاں انکی اطاعت محبت میل ملاپ سائرہ نے کیا نہ وہ
کر سکتی تھی۔ ساس اس بات کی تو خواہشمند ہی نہ تھی کہ بہو میری خدمت کرے اتنا
ہی دیکھکر ان کا دل باغ باغ ہوگیا البتہ اسوقت انہوں نے پھر یہ کوشش کی کہ
بہو کو اپنے گھر میں لے آؤں مگر افسوس کامیابی نہ ہوئی۔

سمجھ میں نہیں آتا اور عقل کام نہیں کرتی کہ ساس کے نام کی ایسی سائرہ کو کیا
آگ چڑھ گئی تھی کہ وہاں جاکر رہنا کیسا اگر وہ گھڑی بھر کو یہاں آجاتی تھیں تو انکا دو
بھر ہوتی تھی جٹھانیاں تو آکر جھانکتی بھی نہ تھیں۔

ادھر بڑے کا صدمہ پرانا ہوتا جاتا تھا۔ ادھر منجھلا ماشاء اللہ سیانا ہو دونوں ماں
باپ اسمیں محو ہوگئے۔ زیور کی کمی ساس نے پوری کردی۔ بچہ کے بدلے بچہ اللہ نے
دیدیا۔ البتہ مزاج کی تکلیف بعض وقت بہت ستاتی تھی مگر دل ٹھکانے ہوں تو سلوک
کیسا مٹی کی ہر چیز بھی پلاؤ کی رکابی سے بڑھ کر ہے۔

جس روز سے بڑے میاں نے نصیحت کی تھی عابد کو کچھ ایسی اُن سے محبت ہو گئی کہ چاہے
کھڑے ہی کھڑے کیوں نہ جائے مگر دن رات میں ایک دفعہ اُنکی خدمت میں ضرور جاتا۔
بڑے میاں جن خیالات کے آدمی تھے عابد کی رگ رگ میں وہ باتیں بھری ہوئی تھیں۔
خوب میزان بیٹھی۔

بڑے میاں نرے بڑے میاں ہی نہ تھے نہایت معزز اور معقول آدمی تمام امیروں
اور رئیسوں میں اُن کا رسوخ تھا۔ ستر روپے پنشن کے ملتے تھے۔ بیس پچیس روپے کا کرایہ تھا۔ عابد
کی مالی حالت پر اکثر افسوس کیا کرتے تھے تنخواہ کے بند ہونے کا حال سنکر کئی دفعہ
ارادہ کیا کہ کچھ سلوک کروں مگر ہمت نہ پڑی ایک دن یوں ہی بیٹھے بیٹھے خدا جانے کیا
جی میں آئی عابد کو ساتھ لیکر اُٹھ کھڑے ہوئے باہر آکر یکہ کیا اور سخاوت پور جا پہنچے
رئیس سخاوت پور ایک خلیق آدمی میر صاحب (بڑے میاں) کی شکل دیکھتے ہی تعظیم
کو کھڑا ہو گیا اور نہایت عزت سے اپنے برابر بٹھایا۔ میاں عابد کی تعریف سنکر نہایت
عقیدت سے مصافحہ کیا۔ اور بہت کچھ وقعت کی۔ سائرہ کے نام جو تنخواہ مقرر ہوئی تھی
وہ اسی سرکار سے تھی۔ رئیسوں کے دربار میں جہاں دو چار پہلے مالش ہوتے ہیں وہاں
چند فتنہ پرداز بھی لگے رہتے ہیں۔ موقع پا کر وہ ایک ایسی جڑ دیں کہ تنخواہ یک قلم بند
ہو گئی۔ عابد کے ہمراہ لانے کی غرض میر صاحب کو صرف تنخواہ کھلوانا منظور تھا۔ اثنا
گفتگو میں مولوی صاحب کا ذکر چھیڑ دیا۔ نواب صاحب کو مولوی صاحب سے بھی عقیدت
تھی بے انتہا تعریف کی اور نہایت افسوس سے کہنے لگے میر صاحب میں نے سنا ہے تینوں
صاحبزادوں میں سے ایک بھی کام کا نہ نکلا۔ مرحوم نہایت ضرورت مسجد کے خیال سے
میں بھی کچھ خدمت کیا کرتا تھا۔ سنا ہے کہ اب مسجد میں ابابیلوں کے گھونسلے بنے ہوئے ہیں
برسوں سے بھی چراغ جلنا نصیب نہیں ہوتا۔ چاروں طرف بیٹ ہی بیٹ نظر آتی ہو

جانماز اور بوریئے تو درکنار بدّھی تک میسر نہیں۔ موذن ہے وہ شاکی نمازی بیزار و نالاں
مجبور تنخواہ بند کردی مجھ کو اس کے دینے میں اب بھی عذر نہیں ہے۔ مواضعات وقف
کی آمدنی بالکل علیحدہ ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ چھوٹے مولوی صاحب معقول انتظام کا وعدہ کریں
میر صاحب نے عابد کا مفصل حال اور عسرت کی کیفیت بیان کرکے اپنا احتیاط
کا یقین دلایا۔ نواب صاحب کو کیا عذر تھا اسی وقت خزانچی کو بلا کر سب چڑھی ہوئی
تنخواہ دلوا دی۔ دو سو روپے کا ایک دوشالہ تنخواہ کے علاوہ پچاس روپے اوپر کے
آئندہ کے واسطے حکم دیدیا کہ تنخواہ پہلی کی پہلی پہنچ جایا کرے۔

عابد یا تو پیسے کو محتاج تھے یا اکٹھے ساڑھے تین سو روپے ہاتھ میں آگئے
آنکھیں کھل گئیں۔ دوشالہ اور روپے لا کر ماں کے آگے رکھ دیئے انہوں نے لیجا کر بہو کو دیدیئے
بی سائرہ تو اللہ رکھے سب گنوں پوری تھیں۔ آخر تھی بھی تو کس باپ کی بیٹی
وقت پر ضرورت کا رفع ہونا شرط ہے پھر چاہے کچھ ہی ہوا کرے۔ بیٹے کی آج چاہت منصوبہ
سے اٹھ رہی تھی۔ میاں کو علم تھا نہ ساس کو بہو بیٹے کی ذات۔ وہ تھی ہری آسامی کو
تو روپیہ مہینے کا سودا کیا۔ ادھی کا گڑ بھی ادھار نہ دے۔ مولوی صاحب کا گھر لاکھ بگڑ
گیا تھا مگر بنئے کو یقین تھا کہ دو چار سو روپے اب بھی جو کھوں میں نہیں ہیں۔

قرض کر لو سائرہ نے ضرورت سے مجبور ہو کر قرض منگوایا۔ نہ منگواتی تو کرتی کیا
بھوکا تو مرا نہیں جاتا فاقے سے سویا نہیں جاتا مگر اللہ کی بندی اتنا بھی تو حساب
رکھتی اتنی عقل خدا دیتا پر بیچ خرچ حساب نہ کتاب جو بنئے کے دل میں آیا وہی
پڑھا تک لیا روپے کے بارہ آنے تو کھلم کھلا ٹھہرے آٹھ دو آنے بیاج کے رکھے
دو چار پیسے نفع کے۔ غرض دیا ایک تو لکھے تین عابد بیٹھک میں سے اُترے تو باچھیں کھل
جاتی تھیں۔ روپوں کا رومال ہاتھ میں تھا سامنے بنیا بیٹھا تھا۔ رومال دیکھتے ہی
پیٹ میں درد ہونے لگا خبر نہیں کس مشکل سے دن کاٹا۔ شام ہوئی تو لڑکے کو

بھیجا کہ چھوٹی بیگم سے کہہ کب کا حساب ہو گیا۔ مجھے تو مانگتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ دو چار روپے ہوں تو بیٹے کھاتے ڈال دوں۔ سینکڑوں کی رقم تو نہیں چھوڑی جاتی۔ اسوقت تو حساب صاف کر دیں۔ پھر چاہے کل ہی جتنا سودا منگوا لیں۔ لڑکا ابھی پلٹا بھی نہ تھا کہ ایک چھٹی سی دتیا نوسی بہی بغل میں دبائے آپ آن پہنچا اور مولوی جی مولوی جی کی دہائی دینی شروع کی۔ عابد نے باہر نکلکر دیکھا تو لالہ بلا کھڑے ہیں۔ بیوی سے جا کر پوچھا بیوی کو تو ماشاءاللہ بیس سے آگے گنتی بھی یاد نہیں تھی۔ حساب تو کیا بتاتیں۔ بنئے سے آکر پوچھا اس نے کہا مولوی صاحب جی سو روپے سے اوپر نکلتے ہیں۔ اب تو عابد ذرا چونکتے ہوئے مگر بلا نے کہا مولوی صاحب! تاریخ وار حساب لکھا ہوا ہے۔ ادھی کا بل نکل آئے تو کوڑی نہ دو۔

بلا کا حساب صاف کرنا پڑا اور روپے دیتے ہی۔ زیادہ سے زیادہ پچیس تیس کا ہوا وہ بھی جھپتاک جھپتاک کر دیا ہوگا مگر کہتے تو کس سے پر اور کرتے تو کیا حساب کتاب جو کچھ تھا بنئے کی زبان یا وہ بیٹھے ہوئے کا غذ و بنئے کے روپے گئے اور احسان کا احسان ہوا۔ عابد نے بیوی سے اتنا تو کہہ ہی دیا کمال کیا مجھ کو خبر تک نہ کی اور سو روپے کا قرضہ کر بیٹھیں بیوی۔ تم نہیں جانتے تھے کہ یہ کہاں سے آرہا ہے۔ آسامات ہوتے تو ان کی نہیں پڑتا تھا۔ قرض نہ منگواتی تو اور کیا کرتی۔ تم دیکھتے نہیں تھے یا جانتے نہیں تھے۔

جواب سخت تھا یا طنزیہ مگر بات معقول تھی اس کے بعد عابد کی آگے بولنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔

بنیا باہر نکلا تھا کہ حلوائی نے آکر آواز دی۔ اس کے پاس سے بچوں کا سودا آیا کرتا تھا چھتیس روپے دینے گئے۔ حلوائی گیا قصائی آیا۔ اکیس روپے اس کو دیئے۔ ان تینوں رقموں سے فرصت ہوئی تو چھوٹے موٹے حساب شروع ہوئے۔ غرض رات کے دس بجے تک قرضخواہوں کا تانتا نہ ٹوٹا۔ ساڑھے تین سو روپے ڈھائی تین گھنٹے میں

اُٹھ گئے پھر بھی سوا سو کا قرضہ باقی رہا بزاز سے تو دوسرے دن جھک جھک بھی ہوئی۔
جھک جھک کیا جو جو اُس نے کہا سب کان دبا کر سننا پڑا۔ مولوی صاحب کے مکان پر
آجتک قرضخواہ نہ آیا تھا۔ سائرہ کی ساس اُن آن کی عورت تھیں کہ چاہے جان نکل
جائے مگر غیر کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں۔ قرضخواہوں کے تقاضے اُنکے کلیجے پر تیر لگ
رہے تھے۔ خصوصاً بزاز کی آواز تو اُنکو بہت ہی ناگوار معلوم ہوئی۔ اتفاق سے اسوقت
وہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ بولی کچھ نہیں چپکی اُٹھ کے اپنے ہاں چلی آئیں۔ عابد نے باہر نکل کر
منت خوشامد سے مہینے بھر کا وعدہ کیا اور بزاز کو ٹالا۔

ایک قرضخواہ ہو تو کہا جائے چلن سے چلتی تو پندرہ روپے کچھ کم نہ تھے پیٹ
دونوں وقت بھر سکتا تھا گھی نہیں اُبالا گیہوں نہیں چنے، سالن نہیں دال۔ روکھی
سوکھی جیسی کیسی کچھ بھی ہوتی مگر یہ آفت تو نہ ہوتی پانچ مہینے سے کے چڑھے ہوئے تھے
دھوبن کو چھ مہینے سے ایک کوڑی نہیں دی تھی اور تو اور تین مہینے حلالخوری کے ہو گئے
تھے۔ دو روپیوں کو کنجڑا جھینک رہا تھا سوا روپے کو دودھ والی بیٹھی ہی تھی۔

سائرہ کا دل تو کوارپنے ہی سے قرضہ پر شیر تھا دینے کا فکر ہوتا تو لینے سے ڈر لگتا
یہ بھی اتفاق سے ادا ہو گیا ورنہ بنیا کیا اور حلوائی کیا بزاز کیا اور قصائی کیا عمر بھر
پیسے اور کوڑی وصول نہ ہوتی۔ محلے میں ایک اندھی بڑھیا بھی رہتی تھی۔ کیا بدنصیب
عورت تھی دو بیٹے جوان مرے ایک بیٹی مری داماد مرا بہن مری بھتیجی مرا غرض چار
مہینے کے اندر اندر چھ جنازے ایک گھر سے نکلے بھرا گھر خالی ہو گیا۔ بیٹی بیوہ ہوئی آپ
اندھی ہوئی دونوں ماں بیٹیاں مزدوری کرتیں اور پیٹ پالتیں۔ بیٹی کی سلائی ماں
کی پسائی دونوں کے ڈھائی تین آنے ہو جاتے۔ بڑھیا کی لوپیائیاں چڑھی ہوئی
تھیں حساب کتاب کی خبر شکر آٹا کی تنگی ہوئی آئی۔ چونکہ بٹ ہی میں تھی کہ سائرہ نے
للکارنا شروع کر دیا۔ بڑھیا دو وقت کے فاقے سے تھی ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی اگر

چار ہی پیسے دیدو تو چولھا گرم ہو جائے۔ سائرہ کے تو پاس سے بھی ہو کر رحم نہ گذرا تھا تو پسائیوں کی پانچ لگائیں۔ اس میں بھی دو پیسے اور کاٹے کہ دو دفعہ آٹا اڑتا ہوا اٹھا۔ بڑھیا نے اس پر بھی صبر کیا۔ مگر افسوس دیئے وہ بھی نہیں۔ کہدیا اب جا پھر آئیو۔

خدا کی شان ہر بنیا پچیس کے سوا سولے جائے اور بڑھیا جس نے چوٹی سے ایڑی تک پسینہ بہا یا تین تین بجے رات سے اٹھ کر چکی کی مصیبت جھگتی پیسوں کے بدلے فضیحتیاں سن جائے۔

عابد رستے بھر شیخ چلی کے سے منصوبے کرتے چلے آ رہے تھے بیوی نے دم بھر میں چنا چنایا محل ڈھا دیا۔ بیوی سے تو کچھ کہنے کی ہمت ہوئی نہیں۔ ماں سے جا کر شکایت کی کوئی دوسری ساس ہوتی تو بچاس اور جڑ دیتی مگر سائرہ کی ساس آج کل جیسی ساس نہ تھیں۔ منہ ہی سے نہیں دل سے۔ زبان ہی سے نہیں درحقیقت سائرہ کی محبت اکلوتی بیٹی سے کچھ کم نہ تھی۔ دل ہر جس پر آ جائے۔ بہوئیں اور بھی تھیں اور سعادتمند۔ مگر جو بات چھوٹی کی تھی ان دونوں کی نہ تھی۔

عابد کو یہ توقع ہی نہ کرنی چاہیئے تھی کہ ماں بہو کے برخلاف میری ہاں میں ہاں ملائینگی۔ یہ انکی تجربہ کاری اور ہوشیاری تھی کہ انہوں نے بیٹے کو اس طرح شیشے میں اتارا کہ اپنی شکایت بھی غلط سمجھنے لگا۔

(۴۵)

پندرہ روپے ساس دیتی تھیں بیس روپے آنے لگے بتیس ہو گئے مزے سے گذرنے لگی۔ اطمینان کا ہوتا تھا کہ پھر سائرہ دون کی لینے لگیں۔ وہ سکینی اور بردباری مفلسی ہی تک تھی۔ وہی طنطنہ اور مزاج وہی زبان درازی اور نحوست اس فارغ البالی سے تو وہ فقیری ہی اچھی تھی۔ یہ تو تھا کہ عابد چراغ ہاتھ میں لئے پیچھے پیچھے ڈھونڈھ پھرتے تھے۔ سائرہ کا پلنا کھاتا تھا کہ عابد پھر مصیبت میں پھنسا جاتا تھا تو یہ بھی شہر ہوتی تھی۔

سر اٹھاتا تھا تو ماں گلا دباتی تھیں۔ مجبور غریب نے اپنے دل میں یہ آخری فیصلہ کر لیا کہ جب تک جان میں جان ہے عمر بھر اس بیوی کے ہاتھوں پریشان ہوں گا۔

پہلے تو خیر اتنا بھی تھا کہ کسی بات پر بگڑی اور میکے جا پہنچی اب ایک اور ہنر سیکھا کہ میاں نے گھر سے باہر قدم نکالا اور بیوی محلے میں چار چار پانچ پانچ گھنٹے غائب۔ چھتوں ہی چھتوں اور کوٹھوں ہی کوٹھوں چار پیسے ڈولی تک پہنچ جاتی تھی۔ سنیچر ہے کہ چار بجے رات امّاں امّاں چیختے پھر رہے ہیں۔ امّاں پر محلے بیٹھی ہیں۔

سائرہ کے مزاج میں خود بینی کا مادہ حد اعتدال سے بڑھا ہوا تھا۔ محلے والوں نے جو خاطر مدارات کی وہ کوئی ایسی غیر معمولی بات نہ تھی سب ہی کیا کرتے ہیں۔ امیر اپنے لائق غریب اپنے لائق۔ مولوی صاحب مرحوم ایسے معمولی آدمی بھی نہ تھے۔ اُنکی عزت کے خیال سے تو اگر محلے کی عورتیں سائرہ کے قدموں کے نیچے آنکھیں بچھاتیں تو بجا تھا۔ چمن سقہ کا گھر دیوار بیچ تھا پہلے دن وہیں پہنچیں سقنی بیچاری خوشی کے مارے اُچھل پڑی۔ اِدھر اُدھر کی سب عورتوں کو جمع کر لیا۔ ایسی جگہ سائرہ کی جس قدر آؤ بھگت ہوتی تھوڑی تھی۔ سائرہ کھِل کر کھِل گئیں۔ بڑی اور منجھلی دونوں بہوئیں وہ بہوئیں کہ جنہوں نے آج تک چوکھٹ سے باہر قدم نہ نکالا سائرہ کو دیکھکر سارا محلہ تعجب کرتا تھا اور سچ کرتا تھا کہاں مولوی صاحب کی بہو۔ کہاں چمن سقے کا گھر۔ کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ عابد گھر آئے اور بیوی کا پتہ نہیں۔ جب دیکھو ممی کے ہاں اور جب دیکھو چھمیا کے پاس۔

عابد کو بیوی کی یہ حرکت جس قدر ناگوار معلوم ہوتی چاہیئے تھی اتنی ہوئی اور تکلیفیں تو خیر جس طرح ہوا برداشت کر لیں اب سب سے بڑا اندیشہ اپنی عزت کا پیدا ہوا کہ تمام محلے میں منادی ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی بیوی مولوی صاحب کی بہو میاں سلیم کی بیٹی۔ شتی اور کنجڑیوں کی ہم نشین ہوتی ہے۔

عابد ایک دن کھانا کھا کر ہاتھ دھو رہا تھا کہ کہاروں نے آواز دی۔ ڈولی اتروا لو
ساس کے شبہ میں ڈولی کا پردہ اُلٹ دیا دیکھتا ہے تو میرو کی چھوکری ہاتھ میں مٹھائی
کی ٹوکری لئے بیٹھی ہے۔ عابد پردہ چھوڑ کر مڑے ہی تھے کہ لڑکے نے چیخ کر کہا اماں جی
خالہ نصیبن آئیں۔ خالہ کا نام سنکر سائرہ ڈیوڑھی میں آئی۔ میاں کو باہر کیا اور بہن کو لیکر
اندر آئیں۔

مولوی صاحب جو خلیق تھے منکسر المزاج تھے رحیم تھے مگر اتنے بے عزت نہ تھے
کہ ستے دھوبیوں کی عورتیں انکی بہو بیٹیوں کے برابر بیٹھیں شادی بیاہ میں آئیں اپنے
قرینے سے بیٹھیں اٹھیں چلی گئیں۔

عابد بیوی کی حرکات پر یوں ہی زہر کے گھونٹ پی رہا تھا نصیبن کا نام سنکر
تن بدن میں آگ لگ گئی۔ دن بھر تو گھر میں رہا۔ اسکا شام کو نصیبن چلی گئی تو اندر آیا
بیوی سے کہا تم اچھی بہو آئیں کہ ہمارے تمام خاندان کی ناک کاٹ کر رکھدی۔ ذرا
سوچو تو سہی ہماری عزت اس قابل ہے کہ یہ کم ظرفیں ہم سے رشتے جوڑیں۔ تم کو مطلق شرم
نہیں۔ ذرا غور تو کرو کس کی بیٹی کس کی بہو اور کس کو بہن بناؤ۔ تم نے اس میل جول میں کیا
نفع دیکھا۔ آج کو حصہ بخرے کا لین دین ہے کل کو بیٹا بیٹی کا شرع کر دینا۔

سائرہ۔ مجھے تو غرور نہیں آتا۔ جیسی اللہ کی بندی میں ایسی وہ۔ مجھ میں کیا لال
لگے ہوئے ہیں کہ ایک شخص محبت سے ملے اور میں نفرت کروں۔ سب دنیا کے دھکے سہلے ہیں اللہ
کے ہاں سب ایک ہیں۔ تم تو پڑھے اللہ والے ہو میں تو کہتی ہوں امیر جو چاہے کہ فقیر مجھ
سے ملے اس کی پاؤں کی خاک ہے۔ غیر بھی ہو تو اپنوں کا اپنا ہے اور چاہے اپنے پیٹ کی
اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے سے رکھے تو اس کی طرف نظر کر کے کبھی رخ نہ کروں۔ بیچاریاں ادھر
کیا لے لیتی ہیں۔ محبت سے بولتی ہیں گھڑی آدھ گھڑی جی بہلا جاتی ہیں اور بیچے رہتے
کا خون ہی کر آتی ہوں۔ نصیبن آئی تو کیا زہر لگ گیا۔ پورے دل سے بیٹھی تھی میں نے کہا لیا

پاؤں پھیر جا۔ تم کو تو لڑنے کے واسطے ایک بہانہ چاہیئے۔ جس دن سے تنخواہ کھلی ہے
چھدا ڈھونڈھ رہی ہو۔ ایسی تنخواہ کو بھی سلام اور ایسے گھر کو بھی سلام۔ کہیں آنے کی میں نہیں۔
چلنے کی میں نہیں۔ کسی سے بولوں میں نہیں چالوں میں نہیں۔ دن رات گھر میں بیٹھی سڑا کروں۔
کسی سے بات کی نہ چیت کی۔ بات سنتے ہیں یا دیکھئے اب تو سو شریفوں کے شریف ہیں۔ ہم
میں کیا شرافت لگی ہوئی ہے۔ یقینی میں دو دوپٹوں سے تیسرا دوپٹہ نہیں۔ کرتے بھی چار خیر نہیں کیونکر
بن گئے۔ نہیں ننگی ہی پھرتی۔ اُن کم ظرفوں کو جا کر دیکھو۔ بہن ململ کے دوپٹے بادلے لیٹ کی
کرتیاں، دریاس کے پاجامے۔ چاندی کا ہی تو بلا سے گوندنی کی طرح گہنے میں لدی ہوئی ہیں۔ میاں
ایسے تابعدار کہ پیسہ ہو تو، روپیہ ہو تو بیویوں کو اختیار۔ ایسی شرافت کو کیا آگ لگانی ہے
کہ بدن پر چیتھڑا تک نہیں۔ تنخواہ کیا کھلی میری جان کو تو عذاب ہو گیا۔ ساس ہیں وہ دن
رات جوتیاں مارتی ہیں۔ میاں ہیں وہ ہر وقت کھائے جاتے ہیں۔ میں تو اس گھڑی کو
نہیں پاتی جب نکاح بندھا۔ مجھے خبر تھی کہ ایسے قل اعوذیے میری تقدیر میں لکھے ہیں
سائرہ یہیں تک پہنچی تھی کہ لڑکی پتیلی لیکر آئی اور کہا اماں مجھکو بھوک لگ رہی ہے
سالن نکال دو۔ کفگیر ہاتھ میں لیا بات میاں سے کر رہی تھی۔ منہ اُدھر تھا دھیان اِدھر۔
خیال کہیں، کان کہیں۔ کٹورے میں سالن ڈال ہی تھی۔ ایک چھینٹ اُڑ کر ہاتھ پر آ پڑی
بھری ہوئی سالن کی پتیلی اٹھا کر انگنائی میں پھینک دی اور چیخنا شروع کیا۔ آواز ماشاء اللہ
ایسی کڑاری تھی کہ گلی کے نکڑ پر سے صاف سن لو۔ عابد بیوی کی یہ کیفیت دیکھ کر ایسا کان
دبا کر بھاگا کہ صبح تک گھر میں آنے کی ہمت نہ پڑی۔ بیوی کے سمجھانے کا یہ مزا چکھا کہ
رات بھر مسجد میں اکڑا۔

سرکاری مدرسہ میں ایک مدرس کی ضرورت ہوئی جگہ اچھی تھی تنخواہ معقول محنت کم۔
عزت زیادہ۔ عابد کی علمی لیاقت میں تو کسی کو کلام تھا ہی نہیں صرف درخواست کی دیر
تھی سفارش کی ضرورت ہوئی نہ کوشش کی حاجت۔ پچاس روپے ماہوار پر تقرر ہو گیا۔

کیسا ہی متحمل و بردبار آدمی کیوں نہ ہو مادۂ نفسانیت غارت نہیں ہو جاتا۔ تحمل
کی ایک حد ہوتی ہے اور بردباری کی ایک انتہا۔ سائرہ کے مظالم قیاس سے بھی تو دو چار
ہاتھ تجاوز کیے ہوئے تھے۔ ایک بیوی کی نالائقی نے زندگی تلخ کر رکھی تھی۔ خدا کے فضل
سے پڑھا لکھا ہٹا کٹا نوکر چاکر پھر کیا وجہ تھی کہ عابد زندگی سے بیزار ہو کر موت کا خواستگار
ہو جاتا اور بیوی کا انسداد و تدارک مطلق نہ کرتا۔ عابد کا اس میں کچھ قصور نہیں یہ
سرشت انسانی ہے کہ روپیہ ہاتھ میں آکر مزاج کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ سخاوت پور کی تنخواہ میں
سے تو ماں کے جیتے جی کوڑی ادھر سے ادھر نہیں سرکا سکتا مگر اس تنخواہ کا ارادہ مصمم
کر لیا کہ بیوی کو بھاپ بھی نہ دکھاؤں گا۔ مہینہ ختم ہوا تنخواہ ملی لا کر ماں کے ہاتھ میں
دی۔ عابد منہ ہی دیکھتا رہا اور ماں نے پچاس کے پچاس روپے بہو کو دیدیے اور کہا
بیوی یہ تمہاری تنخواہ۔ اللہ تم کو نصیب کرے ہماری خوشی یہی ہے کہ تم کو خوش دیکھیں۔
ساس ہو تو عابد کی ماں جیسی کہ بھری مٹھی پچاس روپے بہو کی جھولی میں ڈال دیے اور بہو ہو تو
سائرہ جیسی کہ ٹوٹے ہاتھوں سے دو انگلیاں بھی ماتھے پر نہ رکھی گئیں۔

عابد اس وقت تو ماں کے سامنے خاموش ہو گیا مگر اس بات کا منتظر رہا کہ کسی طرح
اپنے ارادے کا اظہار ماں پر کر دوں۔ کوئی آٹھ روز بعد دوپہر تو عابد ظہر پڑھ کر بڑے
گھر میں آیا ادھر ماں دعا مانگ کر اٹھیں اس سے اچھا موقع کب ملتا کہاں ملتا اور کون سا
ملتا پاس آ بیٹھا اور کہنے لگا۔

آپ کی تجویز کے خلاف اور آپ کے حکم سے انحراف کرنا سراسر گستاخی اور علانیہ نالائقی
ہے میرے ہاتھوں یا میری وجہ سے جس قدر تکلیف آپ کو پہنچی اور پہنچ رہی ہے خدا
شاہد ہے کوئی گھنٹہ ایسا نہیں جاتا جو اس کا افسوس نہ کرتا رہتا ہوں جس طرف
نگاہ اٹھا کر دیکھتا ہوں مایوسی ہی مایوسی نظر آتی ہے۔ رونا تو یہ ہے کہ کوئی تلافی بھی
نہیں ہو سکتی یہ صرف وفور جوش اور انتہائے محبت ہے کہ آپ کے دل پر ان معاملات کا

اثر واقعی نہیں ہوتا۔ ورنہ میں ناہنجار تو اس قابل ہوں کہ سنگسار کر دیا جاؤں آپکی شفقت محبت لطف،
خدمت کا یہی معاوضہ ہو سکتا تھا کہ بھوگت باخیاں کرے میں بیٹھا اپنے کانوں سے سنوں اپنی
آنکھوں سے دیکھوں اور خاک انتظام نہ کر سکوں؟ لعنت ہے میری زندگی پر اور تف ہے میری ہستی پر
مجھ جیسا نالائق بیٹا خدا دشمن کو نہ دے۔ اماں دنیا تو خیر جس طرح لکھا تھا مر کر اور پیٹ پیٹ کر
گذر گئی، عاقبت کا کیا کروں۔ اعمال جس قابل ہیں وہ ظاہر۔ افعال جس لائق ہیں وہ معلوم
مغفرت کی امید کس برتے پر۔ والدین کی رضامندی بھی رضائے الٰہی کا ایک جزو ہے میری
تقدیر میں یہ بھی نہ تھی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں گا اور کیا کہوں گا جرم اتنا سنگین۔
ثبوت معقول۔ برئیت خاک نہیں۔ غرض دین اور دنیا دونو گئے ادھر کے ہوئے نہ اُدھر کے
ہوئے۔ اولاد بھی خدا نے اس قابل دی کہ اسی کو دیکھکر جی خوش ہوتا۔ صاحبزادے
ہیں اُن کا نمبر بدمعاشوں سے بھی بڑھا ہوا۔ صاحبزادی ہیں وہ ماں سے بھی ایک حصہ
چڑھی ہوئی۔ اُنکی ناہمواری کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ خدا ہی کو نہیں پہچانتے
پہچانیں کہاں سے۔ ماں کو خدا اتنی نیک توفیق ہی نہ دی میرے ہاتھ پر حلف کہہ دیجئے میں
نے آجتک آپکی بہو کو نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اگر خدانخواستہ مر جائیں تو میں اُنکے جنازے
پر نماز کس منہ سے پڑھوں تعجب ہے کہ اس گھر پر اب تک کوئی عذاب الٰہی نہ نازل ہوا
سچ پوچھو تو یہ بھی ایک قسم کا عذاب ہی ہے جو گھر پر نہیں مجھ پر نازل ہو گیا ممکن ہے کہ میں
اس سے بھی زیادہ کسی گناہ کا مرتکب ہوا ہوں اور اس کا بدلا مجھکو دنیا کی دنیا ہی میں ملگیا
آخرت کا حساب تو الگ رہا۔ مجبور یہ ارادہ کر لیا ہے کہ کسی طرف میں بھی نکل جاؤں۔ یہ
بچے اُنکی پرورش میں کیا اور آپ کیا جواب کرتا ہے وہ جب کریگا۔ میرا دل تو دنیا سے
بھر گیا۔ بڑے کے مرتے ہی جی چھوٹ گیا تھا اب اور بھی نفرت ہو گئی میں یہ بھی جانتا
ہوں کہ اسلام میں رہبانیت کی اجازت نہیں مگر کیا کروں بلا سے کسی طرح تو ان جھگڑوں سے
چھٹکارا پاؤں۔ یہ تو نہ ہوگا کہ رات دن پریشان۔ نماز کا میں نہیں روزہ کا میں نہیں۔ خدا

کا میں نہیں۔ رسول کا میں نہیں دین کا میں نہیں دنیا کا میں نہیں۔ میں جانتا ہوں جس قدر میری مفارقت کا آپکے دل پر اثر ہوگا مگر کیا کروں اس کے سوا کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی دنیا نہ ہی سہی۔ دین کو تو ہاتھ سے نہ کھوؤں۔

ماں بھائی ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے جو تم زندگی سے بیزار ہو گئے ابھی دنیا کا دیکھا ہی کیا ہے جو دنیا سے بھاگنے کی ٹھان لی۔ بال ہوں بچے ہوں شادی کرو بیاہ کرو بہو لاؤ داماد لاؤ سب ارمان پورے ہو جائیں تو جانتا کہ دنیا دیکھی بیوی کی ذرا سی نالائقی پر دنیا کو تجنے لگے۔ گھروں میں لڑائیاں ہوتی نہیں؟ اگر ایسی ذرا ذرا سی باتوں پر دنیا کو چھوڑنے لگیں تو دنیا کے کام خوب چلیں۔ خیر نہیں مجھ کمبخت کی تقدیر میں کیا لکھا ہے تمام دنیا کو موت ہے مجھ کو موت ہی نہیں۔ بیٹا! مجھ کو مرجانے دو۔ پھر جو جی چاہے کرنا۔ میاں بیویوں میں لڑائیاں ہوا ہی کرتی ہیں۔ لڑکی ہے بعض دفعہ ضد آجاتی ہے دو ایک دفعہ وہ درگذر کر جائیں ایک آدہ مرتبہ تم طرح دیجاؤ۔ چلو بٹے ہوا خدا کا شکر ہے کسی طرح کی تنگی نہیں غریبی نہیں۔ اللہ رکھے چار پیسے روپیہ سر آئے پاؤں جائے۔

مجاہد بہو کے ہاتھ میں تو چار پیسے کیا اگر ہزار پیسے دو گی تو صبح سے شام تک سب برابر ہیں۔ میں نے اس لئے سوچا تھا کہ سخاوت پوری تنخواہ گھر کے خرچ کی۔ یہ پچاس آپکے پاس رہیں۔ آپ نے یہ بھی اٹھا کر انکے حوالے کردیئے آج جا کر پوچھ لیجئے جو ایک پیسہ بھی بچا ہو تو

ماں بیٹا! اللہ کا شکر ہے میری ضرورت سے لائق اللہ نے مجھے دے رکھا ہے تمہاری کمائی بیوی بچوں کا حق ہے۔ اللہ انکو لینی اور تم کو دینی نصیب کرے تم کماؤ وہ اٹھاویں میری تقدیر میں جو تھا میں کر چکی ہزار سال آئے اور اٹھائے مجھکو اب کوئی ارمان نہیں دنیا جہان میں مرد کی کمائی بیویوں کے ہاتھ میں آتی ہے میں نے جا کر دیدی تو کیا گناہ کیا۔ لاکھ بے ڈھنگی ہوں اولاد کا ساتھ ہے لڑکیاں آگے ہیں کچھ نہ کچھ وقت کے واسطے رکھیں ہی گی جو کچھ اٹھائینگی وہ گھر میں۔ کہیں باہر تو پھینک آنے ہی سے رہیں آجکل

کا وہ زمانہ ہے کہ ایک پیسہ بھی مفت نہیں دیا جاتا جو اُٹھیگا وہ گھر میں جو بچے گا وہ کام
آئیگا۔ یہ تمہاری سراسر بیوقوفی ہے جو ایسا خیال کرو گھر والی ہے ہزارن تھوڑی ہی ہے اسواسطے
سر پر ہاتھ رکھکر نہیں لائی کہ سب کمائی ہضم کروں اور وہ مصیبت بھگتے۔ تم نے تو پنج
قوموں کو بھی مات کیا وہ بھی ایسی بات نہیں کہتے اب تو کہا ہے اب کہنا۔

عابد کا مطلب کچھ اور ہی تھا۔ یہاں الٹی ٹانگیں گلے میں آگئیں ماں نے
ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ جی ہاں کے سوا کچھ کہتے بن نہ آئی۔ عابد کی تجویز اور ساس کی
فہمائش کا حال کسی ذریعہ سے سائرہ کے کان تک بھی پہنچگیا مگر کیا اُلٹی سمجھ کی عورت
تھی ہوا کچھ سمجھی کچھ۔ کچھ لگانے والوں کی چالاکی کچھ سمجھنے والی کی سمجھ کا پھیر جانا کہ
کہ آئندہ سے تنخواہ میرے پاس آنی موقوف ہوئی اُٹھی اور ساس سے لڑنے چلی اتفاق
سے شاکرہ بھی آئی ہوئی تھی۔ بیٹی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کچھ ایسی پٹی پڑھائی کہ سائرہ کا رنگ
ہی اور ہو گیا۔

(۴۳)

شاکرہ دن بھر رہ کر شام کو چلی گئی۔ عابد اپنے وقت مقررہ پر بعد عشا گھر میں آیا تو خلاف
معمول چوکی بچھی ہوئی قلعی دار لوٹا رکھا ہوا الگنی پر تولیہ گھر میں جھاڑو لگی بچھونا بچھا ہوا
بہت ہی متعجب ہوا۔ سوچ رہا تھا کہ الٰہی آج بیوی کے دل میں کیا آئی جو بیوی
نے لوٹا لیکر میاں کے ہاتھ دُھلائے۔ دُھلا چکی تو اُجلا دسترخوان بچھا کر کھانا رکھا۔ پانی بھر
کر کٹورا رکھا۔ میاں نے کھانا شروع کیا۔ بیوی بیٹھ کر پان بنانے لگی۔ کھا چکا تو پھر ہاتھ
دُھلائے۔ تولیہ دیا پان دیا پھر آپ کھانے بیٹھی۔ عابد پلنگ پر لیٹا تو ششدر و متحیر لاکھ
عقل لڑاتا تھا مگر عقل کام نہ کرتی تھی۔

سائرہ نے تو ایسی کروٹ لی کہ جو دیکھتا تھا وہ تعجب کرتا تھا جس بیوی نے
کبھی سیدھے منہ میاں سے بات تک نہ کی۔ دس دس گیارہ گیارہ بجے رات تک گنگھی

پرکھانا لیے بیٹھی رہتی۔ سائرہ کا یہ حال دیکھکر کہ لونڈی کو عذر ماما کو عذر اور بیوی کو عذر نہیں۔
عابد تو نہال نہال ہو گیا۔

سائرہ کو عقل آئی تو سہی مگر بہت دیر میں آئی کیا اگر اس سے آدھی بلکہ چوتھائی
خدمت بھی اول دن سے کرتی تو عابد اس مزاج کا آدمی تھا کہ بیوی کے سوا دنیا بھر کو بھول جاتا
جیسا کہ اب بھی ایسا نہ ہوا اتنا ضرور ہو گیا۔ دس بجے مدرسہ گیا اور دو بجے چلا آیا اس وقت
سے لگا تو گیا دوسرے دن دس بجے گھر سے نکلا کبھی ایسا ہی ہوا تو مسجد میں چلا گیا نہیں
تو گھر ہی میں وضو اور گھر ہی میں نماز۔ خدا اور رسول معرفت و شریعت سب جا کر بیوی ہی
بیوی رہ گئیں۔ مسجد میں ہے تو بیوی کی خدمت پیش نظر مدرسے میں ہے تو بیوی کی صورت
آنکھوں کے اندر۔ غرض آٹھوں پہر عابد تھے اور بیوی تھیں۔ ماں کے پاس جانا بھی
برائے نام رہ گیا۔ چلتے وقت کھڑے کھڑے گیا دو ایک باتیں کیں اور چلدیا عابد سے
زیادہ تو اب سائرہ آ کر ساس کے پاس بیٹھتی تھی جس دن سے میاں کی خدمت شروع
کی تھی اُن سے یہ بھی معمول مقرر کر لیا ادھر میاں نے نماز فجر کا سلام پھیرا اُدھر سائرہ ساس
کے سلام کو پہنچی۔ میاں کے دل میں بیوی کی طرف سے ایسا گھر ہوا کہ دنیا و ما فیہا جو کچھ
تھی بیوی تھی۔ عابد اپنے دل میں جو چاہے سمجھا کرے۔ بڑی بی ان چھچھورے ملانوں میں
آنیوالی نہ تھیں۔ سائرہ لاکھ چلتی ہوئی ہو مگر تجربہ کی کوئی چیز ہے بڑی بی نے دھوپ میں بال سفید
نہیں کیا تھا پہلے ہی دن کھٹک گئی تھیں کہ تھا جو کچھ سو ہو چکی۔ حالت دیکھکر پہلے
اس سے کہ وہ خوش ہوتیں ان کا ایک اور فکر سوار ہو گیا۔ بڑی بی پہلے تو اُنہوں نے جو سنتے
ہی کہہ دیا تھا یا خدا راست لائے۔ بیٹا پھوپھی دلہن ادھر سے سلام کو آئیں کبھی
دلہن بچے میں نصیب ہوا نہیں آج چھ بچوں کی ماں ہو کر بڑھاپے میں ساس کی
عزت کرنے بیٹھی ہیں۔

عابد اب جو تنخواہ لائے ماں کو دکھانا کیا خبر بھی نہ کی اور بیوی کو لا کر دیدی

تین چار روز بعد ماں نے بھی سُن لیا چپکی ہو گئیں۔ عابد کو چاہے خیال آ بھی جاتا ہو مگر ماں نے مطلق پروا نہ کی۔

تنخواہ کے براہ راست آنے کی سائرہ کو زیادہ خوشی نہیں ہوئی وہ تو کچھ اور ہی بیڑا اُٹھائے ہوئے تھی کیا اور اس ڈھنگ سے کیا کہ پورا کر کے چھوڑا کامیابی ہوئی اور کیسی کامیابی کہ تسمہ نہ لگا رکھا۔

تین ساڑھے تین مہینے تک تو سائرہ اسی رفتار سے چلتی رہی اس کے بعد معتمد کی خبر نکلنی شروع ہوئی۔ میاں کے سامنے تو ساس کی مطیع و فرمانبردار اور میاں کے پیچھے صورت سے متنفر اور نام سے بیزار۔ ساس کے نزدیک یہ نتیجہ کوئی غیر متوقع نہ تھا انکو پہلے ہی سے یقین تھا البتہ عابد پھنس گیا۔ ماں نے امر واقعی کا اظہار نہ کیا۔ بیوی نے اپنی کوششوں میں رتی بھر کسر نہ رکھی اس عقلمند کو یقین واثق ہو گیا کہ بیوی دن رات ساس کی خدمت میں لگی رہتی ہے۔

گیدڑ کی شامت آتی ہے تو شہر کی طرف منہ کر کے بھاگتا ہے۔ دوپہر کا وقت تھا جمعرات کا دن۔ ساس نے کمرے میں آ کر کہا کہ چھوٹی دلہن بیٹی آج شام کو کھانا نہ پکانا گیارہویں کی نیاز دلواؤں گی۔ سائرہ تو عرصے سے اس موقع کی منتظر تھی کوٹھے پر جا دو پیسے کے بھنگ کے منگوا مٹکے میں گھول دیے۔ کھانا کھا چکی تو آپ بھی اس میں سے پانی پیا بچوں کو بھی پلایا ایک آدھ گھڑی کے بعد عابد کے سوا گھر بھر کو دست چھوٹ گئے۔ سائرہ کو کچھ تو دستوں کا آنا کچھ کیا بہانا چاروں ہاتھ پاؤں پھیلا چت لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کر لیں اور زور زور سے سانس لینا شروع کیا۔ میاں نے پاس آ کر پکارا تو بہت آہستہ سے کہا۔

"خبر نہیں چاولوں میں کیا ستم کیا بڑی توبہ تھی۔ بچوں بیچاروں نے کیا بگاڑا تھا جو انکی بھی جان پر بنا دی۔ اسی واسطے بالکل الگ تھلگ رہتی ہوں کسی کے

لینے میں نہیں دینے میں نہیں۔ آخر میں بھی تو کچھ سوچ کے ہی الگ ہوئی تھی۔ دیکھ لو وہی
آگے آیا۔ خیر ہم تو چلے ہی گر آپ ہی جیسا ہم نے کیا ہمارے آگے جیسا اوروں نے کیا اور وہی
سکے آگے۔ میرا تو خیر کچھ نہیں مگر ہائے ان بچوں کو دنیا کی بہار دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ میرا کہا
سنا معاف کرنا ان بچوں کی مٹی کیسی پلید ہوئی۔ کس کی ماں کو ماں کہیں گے"

سائرہ نے کچھ ایسی دردناک گفتگو کی کہ عابد کا دل بھر آیا اور لگا چیخیں مار مار کر
رونے۔ عابد کی آواز سنکر بڑے گھر میں سے سب دوڑ پڑے۔ ساس کی آواز سنتے
ہی سائرہ پھر وہی پلنگ پر چیت۔

دست خدانخواستہ وبائی ننھے بدہضمی کے تھے پانچ پانچ سات سات آکر تھم گئے
بچے ہلکان ہوکر پڑ رہے۔ سائرہ ہار جھک مار کر سو گئیں۔ عابد رو پیٹ کر لیٹ گئے۔ یہ سب تو
چین سے سو گئے مگر بڑی بی بیچاری نے تمام رات جاگ کر کاٹی۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے
بعد آتیں اور دیکھ جاتیں۔ صبح ہوتے ہی سائرہ لڑکھڑاتی ہوئی ساس کے سلام کو پہنچیں
عابد نے کہا ابھی تم سے چلا نہیں جاتا مت جاؤ وہ یہیں آتی ہونگی۔ مگر وہاں تو بات
ہی کچھ اور تھی میاں کو یہ جواب دے کر چلی گئی میں اپنی طرف سے مرتے دم تک کوئی بات
بیجا نہ کرونگی۔ میرا کیا میرے ساتھ اُن کا کیا اُنکے ساتھ۔

ساس پر بہو کا ایسا رعب غالب ہوا تھا کہ صورت دیکھتے ہی خون خشک ہوگیا
سائرہ سلام کرکے رخصت ہوئیں اور وہ سوچ میں پڑ گئیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا
کریں بیٹے سے کہیں تو کیا کہیں اور بہو کو سمجھائیں تو کیا سمجھائیں۔ بہو کی ریاکاری
ساس بیچاری کی جان کو ایسا غم لگا کہ کھانا پینا سب بھلا دیا۔ بھوک تھک گئی نیند اڑ گئی
آرام و اطمینان معدوم۔ عقل و ہوش مفقود۔ ادھر بہو کی اطاعت روز بروز بڑھتی جاتی
اُدھر انکی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی تھی۔ دائم المرض تو تھی ہیں۔ بیماریں
بھی پیچھا نہ چھوڑتا تھا۔ سائرہ کی فرمانبرداری ایسی ہاتھ دھو کے پیچھے پڑی کہ

کر ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئیں اندر ہی اندر گھلی جاتی تھیں۔

رات کو چال گوٹوں کی واردات ہوئی صبح اٹھتے ہی میاں نے بی بی کو حکم دیدیا کہ بڑے گھر کی کوئی چیز کسی کے ہاتھ کی کیوں نہ ہو آپ کھانا نہ بچوں کو دینا۔ عابد کا خیال کامیابی سائرہ کی ابتدا تھی۔ مگر ابھی تو پیش خیمہ ہی تھا مطلب اصلی کوسوں دور پڑا تھا۔ عابد بیوی کی محبت میں روز بروز ایسا دیوانہ ہو رہا تھا کہ بڑے گھر کا آنا جانا اس نے قریب قریب بند کر دیا۔

پورے مہینہ بھر کے بعد سائرہ نے ایک اور وار کیا۔ کہنے میں ایک شادی ٹھہری چوری کے بعد جو کچھ باقی بچا تھا وہ ساس زبردستی اپنے ہاں لے گئی تھیں ایکدن جا جہیز کا صندوق کھول چوتھی کا جوڑہ چپکے سے نکال لائی۔ شادی کا دن آیا تو سب جانے کے واسطے تیار ہوئے دونوں جیٹھانیاں گہنا پہن چکی تھیں کپڑے بدل رہی تھیں۔ ساس زیور کی صندوقچی ہاتھ میں لیئے ہوئے آئیں اور کہنے لگیں چھوٹی دلہن لو جو کچھ لینا ہو لے لو اور کپڑے لتے جو کچھ نکالنے ہوں وہ بھی جلد نکال لو پھر میں کوٹھری کا قفل لگا دوں۔ سائرہ کو جانا منظور ہی نہ تھا صبح سے درد سر کا بہانہ کرنے پڑی تھی۔ میاں سے کہنے لگی اچھی تم اتنا کام کرو، میری چوتھی کا جوڑا نکال لاؤ۔ اماں جان تیار دینگی۔ عابد اچھا کہکر اٹھ کھڑا ہوا۔ بیوی نے کنجیوں کا گچھا دیا۔ آگے آگے عابد پیچھے پیچھے ماں صندوق کھولا کپڑوں میں دیکھا تو جوڑا ندارد سب کپڑے الٹ پلٹ کئے جوڑہ ہو تو ملے۔ عابد دم میں کھڑا رہا ساس دوڑی ہوئی بہو کے پاس آئیں۔ پوچھا اے بی تم اس دن شاید لے آئی ہو کہیں کہکر تو نہیں بھول گئیں۔

سائرہ۔ بھلا اماں جان آپ کی بھی عقل ہے۔ میں پاگل تھی جو جوڑہ لاکر یہاں ڈالدیتی۔ اسی میں پہنکے میں چلوں۔

ساس بہو کو لیکر آئیں۔ بہو صندوق کے کپڑے دو ایک دفعہ ادھر کے ادھر پہنچے

کے اوپر گر کر اسر پکڑ بیٹھ گئی۔

دس پانچ روپے کی بات ہوتی تو صبر آجاتا۔ تین چار سو روپیہ کا جوڑہ غائب اور ماں دونو کے ہوش اُڑ گئے۔

سائرہ۔ خدا کو دیکھا نہیں عقل سے پہچانا صندوق میں کھا رکھا جوڑہ کہاں جا سکتا ہے؟ صندوق کھا گیا یا کوٹھری کھا گئی۔ مجھ ہی کم بخت کے جوڑے پر چور پڑنے تھے اور بھی تو سب کا رکھا تھا۔

ساس۔ بیٹی! میری عقل تو کام نہیں کرتی۔ صندوق کی کنجی تمہارے پاس کوٹھری کی میرے پاس صندوق کو کسی اور کی کنجی لگتی نہیں۔ کوٹھری کھلوا میرے کوئی اور آتا جاتا نہیں لیجئے اُلو کہا صندوق تو رکھا ہی نہیں سینکڑوں چیزیں پڑی ہوئی ہیں۔ کھلی بھی ڈھکی بھی کبھی تنکا بھی ادھر سے اُدھر نہیں ہوا۔ یوں کہو میرا منہ کالا ہونا تھا ہو گیا۔

سائرہ۔ میں تو اپنے منہ سے کچھ نہیں کہتی آپ کا جو دل چاہے کہے جائیے میری تقدیر کا نہیں تھا نہیں رہا۔ گہنا گیا تو بیسے کسی کا کیا کرلیا۔ رتی رتی حال معلوم ہو گیا مگر تا دیجے جو آج تک کسی کے منہ پر رکھا ہو گہنا لیا اچھا کیا۔ کپڑا لیا اچھا کیا۔ اب دیگ ویرتن اور رہ گئے ہیں یہ بھی چلے جائیں تو پاپ کٹے۔

سائرہ یہ کہتی ہوئی باہر نکلی اور روتی ہوئی اپنے گھر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد عابد بھی چل دیا۔ ساس خوب سمجھتی تھیں مگر خرابی یہ تھی کہ سمجھتی تھیں اور کہہ نہ سکتی تھیں۔ جانتی تھیں اور بول نہ سکتی تھیں۔ شادی کی تمام خوشی تاک میں مل گئی۔ جوڑے کا سوگ سوار ہو گیا۔ بہو کی خدمت اچھا روگ پیچھے لگا۔ منہ ڈھانک کر چپکے چپکے رونے لگیں۔

سائرہ نے گھر جا کر رونا شروع کیا۔ بیوی کو روتا دیکھ میاں کیوں نہ روتے ماں باپ ورپچے تو کچھ بچوں نے کیا خطا کی تھی۔ غرض پندرہ بیس منٹ تک

چھوٹے اور بڑے سب پر رقت طاری ہی آخر میاں عابد اُٹھے آپ پانی پیا بیوی کو لاکر پلایا لڑکیوں کے سر پر ہاتھ پھیرا لڑکوں کو چمکارا اور بیوی کی طرف مخاطب ہوئے۔

اب دل بھاری کرنے سے کیا فائدہ جو ہونا تھا وہ ہو گیا اگر تمہاری تقدیر میں ہے تو خدا اور دے گا۔ حکم الٰہی میں کچھ چارہ نہیں۔ جانیوالی چیز ہر طرح جاتی۔ ہزار احتیاط سے رکھتیں لاکھ حفاظت کرتیں سات قفلوں میں رکھتیں پھر بھی جاتی اب خدا سے دعا کرو کہ اور دے۔

سائرہ۔ چوری ہو جاتی تو صبر آجاتا گھر میں سے اور کون لے سکتا ہی۔ کوٹھری کی کنجی اُنکے پاس صندوق کی میرے پاس دیکھ لو میں نے تو گھنے تک کا حال تم سے نہ کہا یہاں تک سن لیا کہ آج بکنے جا رہا ہی گو دم نہ مارا میرے کیا باپ کا تھا جو میں بولتی۔ اپنی چیز ہے جا ہی دی چاہے نہ دی ہی سمجھکر جوڑے کو صبر کر لونگی۔

عابد نا سمجھ۔ بیوی مکار کے دام تزویر میں گرفتار ہو کر ماں سے بیزار ہو گیا۔ کھانے ہی پر بد ظن ہو گیا تھا جوڑے کا جانا سمند ناز پر ایک اور تازیانہ ہوا۔ عابد ماں کا جیا تھا ماں عابد کی جنی نہ تھی۔ بیٹے کے تیور دیکھتے ہی پہچان گئیں کہ یہ مجھ سے برگشتہ ہو گیا۔ مگر انکو نہ پروا کی ضرورت تھی نہ کی۔ وہ عابد کی محتاج نہ تھیں عابد کے در پر نہ تھیں۔ عابد کی روٹی پر نہ تھیں۔ عابد کی اطاعت خدمت جو کچھ تھی اپنی عاقبت کی درستی تھی اُن پر احسان نہ تھا۔ دنیا تعریف کرتی تھی سننے والے خوش ہوتے تھے دیکھنے والے بھلا کہتے تھے ماں کے دل سے دعائیں نکلتی تھیں۔ کمبخت اگر اُن ہی اطوار پر قائم رہتا اور اسی رفتار سے چلے جاتا تو ماں کی زندگی کونسی سینکڑوں ہزاروں برس کی تھی۔ برس دو برس کا عذاب اور سمجھ لیتا۔ ایسا ہی تھا تو دل میں کہتا۔ ماں بیچاری لینے میں نہیں دینے میں نہیں۔ روپیہ کی متوقع نہیں۔ خدمت کی خواستگار نہیں۔ میٹھی زبان کی خواہشمند تھیں۔ فرمانبرداری کرتا۔ اپنا بھلا کرتا دعا پاتا پھلتا پھولتا سعادتمند کہلاتا منحرف ہوا

اُن کا کیا لیا اپنا کچھ کھویا دنیا میں نکو بنا خدا کا گنہگار رہا۔

اس واقعہ کا دسواں یا شاید گیارھواں روز ہوگا کہ سائرہ کو ایک موقع ملا۔ بچہ بڑے گھر میں بیٹھا کھیل رہا تھا پھوپی کے پاؤں کی چوڑیاں چاندار ہاتھ میں تھیں۔ دادی نے کہا بیٹا اپنی چوڑیاں ہیں مٹی جم جائے گی وہ بیگم نہانے کیا گئیں وہیں مر گئیں۔ لا چوڑیاں رکھدے۔ لڑکا کس ماں کا بیٹا تھا اسی طرح لٹکاتا رہا۔ اتفاق سے جوڑ کھل گیا۔ دادی نے اُٹھ کر زبردستی چھین لیں۔ بچہ روتا ہوا گھر میں چلا گیا اور زمین میں لوٹنے لگا۔ چیخ پیٹ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ رو دھو کر چپ ہو گیا۔ بات گئی گذری ہوئی۔ رات کو کہیں بچے کو بخار چڑھ آیا۔

جیسے پہلوٹی کا لڑکا مرا تھا عابد کی یہ کیفیت تھی کہ ذرا کسی بچہ کا بنڈا گرم ہوا اور اس کی جان پر بنی۔ بےخبر پڑا سوتا تھا۔ بیوی نے جگا کر کہا ذرا ہوشیار تو ہو۔ دیکھو لڑکے کو کس ظلم کا بخار چڑھا ہے۔ بخار کا نام سنتے ہی عابد گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ بیوی سے کہنے لگا:۔ مغرب تک سنگھاڑے کہاتا پھرا ہے میں نے تم کو کتنا منع کیا کہ ثقیل ہوتے ہیں۔ زیادہ نہ دو۔ تم نے مطلق نہ سنا اُسی سے بخار چڑھا۔

سائرہ لے بچہ میرا منہ نہ کھلواؤ بچہ چڑ گیا خیر۔ اللہ کا حکم ہوگا بخار اُتر جائیگا نہیں صبح تدارک کی۔ ابھی سچی بات کہوں تو دیکھوگے کے گھر لڑائیاں پھیلتی ہیں۔

عابد۔ آخر بتاؤ تو سہی بخار تو ایسی چیز نہیں ہے جو کسی کے اختیار میں ہو۔

سائرہ۔ خیر نہیں سہی۔

عابد۔ تو بتاتے میں کیا نقصان ہے۔

سائرہ۔ کیا بتاؤں کچھ نہیں۔

عابد۔ پھر کہا کیوں تھا؟

سائرہ۔ میرا دل آپ ٹھیک نہیں ہے میرے سر کیوں ہوئے۔ کرتہ اُٹھا کر دیکھ لو

بدھیوں کے نشان موجود ہیں یا نہیں۔ میری تو صبح ہی سے بدھیوں میں جان جا رہی تھی اسکو بھلا ایک انگلی کی تو برداشت ہے ہی نہیں پنکھے سے لیکر سوٹ دیا۔

عابد۔ ہوا کیا تھا کس بات پر مارا۔

سائرہ۔ ہوتا کیا ایک ذرا چوڑیوں سے کھیل رہا تھا۔ انہوں نے مانگیں اس نے دی نہیں۔ چوڑ چپٹے کا کھیلا ہوا تھا نام اس کا ہو گیا۔ خیر چوٹ لیں اچھا کیا مگر مارنے کی کیا بات تھی۔ اگر مارنا ہی تھا تو تھپڑ دو تھپڑ مار دیتے پنکھے کہ تمام کمر نیلی ہو گئی۔

عابد۔ تم نے جا کر کچھ کہا نہیں؟

سائرہ۔ میں جا کر کیا کہتی مجھ سے تو بڑی بی نے آ کر کہا۔ بیوی تم نے بچے کو کیسا جلنے دیا کرتی ہو۔ دشمن کے بچے کو بھی تو اس بیدردی سے نہیں مارتے وہ کہہ رہی تھیں جو بچہ بلکتا ہوا آیا۔

عابد۔ ٹھہرو! میں ابھی جا کر کہتا ہوں۔

سائرہ۔ نہیں خدا کی قسم ایسا غضب نہ کرنا۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اگر تم نے منہ سے بھاپ بھی نکالی تو مجھ سے برا کوئی نہیں۔

دو معاملوں کا تو ساس کو علم ہی ہو گیا۔ اس تیسرے کی خبر تک نہ ہوئی بچے کو بخار فصلی تھا صبح تک اتر اترا گیا مگر عابد ماں کی طرف سے دل میں غبار سا بیٹھا قریب یہاں تک پہنچ گئی کہ آٹھویں دسویں روز گھر میں جا کر پھرتا۔ بیوی تنہا کی بدولت ماں صورت کو بھی ترس گئی۔ آنے کا جو وقت مقرر تھا اس سے پیچھے جاتا گھڑی کل جاتا کبھی خلاف معمول آ گئیں تو بیٹے ہی کے گھر میں تنہا بیٹھ گئیں۔ آگے بیٹے نے دیکھ لیا کہ آ رہی ہیں تو آنکھ بچا کر چل دیا۔ اتفاق سے کیا ایسا سر پر آ پہنچیں تو منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔ ماں نے بے غیرت بن کر کوئی بات کی تو جواب میں جھڑک دیا گویا کاٹ کھانے کو دوڑا۔ عابد کی یہ حالت دیکھ کر ماں نے بات کرنی چھوڑ دی اور زیادہ لاپروائی دیکھی تو آنا بھی چھوڑا

میاں کو اس حد تک یقین دلانے کے بعد جب سائرہ کے ارادے پورے ہوئے کوششیں کامیاب، مرادیں حاصل ہوگئیں تو وہ عارضی رنگ روغن اترنے لگا۔ سب سے پہلے ساس کی اطاعت پر لعنت بھیجی۔ مگر میاں کی نمائشی ٹیپ ٹاپ ابھی بدستور رہی۔

سائرہ نے ان دنوں چار مہینوں میں جس قدر خاوند کی خدمت کی اگر اس میں مکر و ریا شامل نہ ہوتا اور اس کا مقصد اس قدر خوفناک نہ ہوتا تو بلاشبہ اس کی اطاعت تمام شکایتوں پر حاوی ہو جاتی مگر وہ تو جو کچھ کر رہی تھی اوپری دل سے اس لئے سب کیا کرایا مٹی تھا۔

اس عرصہ میں شاید ہی کوئی دن ایسا ہوا ہو تو ہوا ہو جو سائرہ نے اپنے تئیں تندرست بتایا ہو۔ روز صبح ہوئی اور ایک شکایت موجود میاں مدرسے سے واپس آیا۔ بیوی کسی نہ کسی مرض میں گرفتار۔ مگر بیماری جو آئی اندرونی آئی۔ بخار کبھی نہ چڑھا کہ دیکھنے والوں کو بھی یقین آجاتا۔ امراض کا زیادہ تر حصہ متفرق مقامات کے درد میں منقسم تھا۔ تڑپتی اور اتنا تڑپتی کہ بعض اوقات بیہوش ہو جاتی۔

عابد کی آنکھوں پر ایسے غفلت کے پردے پڑے تھے کہ بیوی کے دوامی مریض ہونے سے محبت میں اور ترقی ہوگئی۔ روپے روپے آٹھ آٹھ آنے کے نسخے آتے۔ کسی کا پیتا کسی کا پلاتا میاں نے ادھر منہ موڑا بیوی نے اٹھایا اور کوڑے پر پھینک دیا۔
عابد کی کمائی میں آٹھ دس روپیہ مہینہ عطاروں کا تھا وہ ہر طرح جاتا اس سے کوئی پوچھتا تو بلا تامل قسم کھا لیتا کہ بیوی دن رات میں ساگ کے آدھ پاؤ اناج کھاتی ہوگی حالانکہ تر بتر گھی کے چار پراٹھے اس طرح نکلتے کہ بچوں تک کو خبر نہ ہوتی۔ دو سیر دودھ بچوں کے نام سے صبح کو آتا دن بھر جوش کھاتا رات کو جب پاؤ ڈیڑھ پاؤ کے قریب رہ جاتا تو دوائی کھا کے بیوی نوش فرماتیں۔
سائرہ کو ایک چھوٹا سا موقعہ اور ملا ماں کے ہاں محرم پر کھیر کی قلفیاں

آئیں سینی کی سینی یوں ہی اُٹھاکر ساس کے ہاں بھجوادی اُنہوں نے اس وقت تو رکھ
لی۔ دو پیسہ مزدوری کے دیدیئے لانیوالی چلی گئی تو سینی ساتھ لیکر بہو کے پاس آئیں
اور کہنے لگیں بیٹی! میں اتنی کیا کرونگی۔ مجھ کو ایک بہت ہی میں نے لے لی تم اللہ
رکھے اپنے گھر میں بانٹو بچوں کو کھلاؤ۔

اب یہ خدا جانے کہ لانیوالی کے ہاتھ سے۔ سائرہ سے کسی بچے سے یا ساس سے
ایک قلفی ٹوٹ گئی۔ وہی ٹوٹی قلفی سائرہ نے شام کو میاں کے آگے رکھدی۔ عابد
نے ایک ہی چمچہ کھایا تھا کہ تمام منہ میں کرکراہٹ ہونے لگی بیوی سے یہ پوچھا کہ یہ کھیر
کہاں سے آئی ہے برابر کی خاک ملی ہوئی ہے۔

بیوی۔ اماں نے بھیجی تھیں میں نے اسی طرح اماجان کے پاس بھیجدیں
تیرہ چودہ برس میرے بیاہ کو ہوئے بتادیں آج کی گھڑی تک کوئی چیز آپ کہیں سے
وہ یہاں لاکر پھینک گئیں اور جو جو منہ میں آیا کہتی رہیں۔ میں تو درد میں پڑی کہتی خدا
کی قسم یہ کبھی نہیں دیکھا کہ آئیں اس بیوقوف کو دیکھو وہ تو بگڑ رہی تھیں میں اُن سے
کہتی کہ دادی اماں تھوڑی سی تھی بھونسی بیہودہ حکیم جی نے ٹکور بتائی ہے۔ اُنہوں نے
جواب بھی نہ دیا۔

یہ سائرہ کی سب سے آخر کوشش تھی۔ جو پوری کارگر ہوئی۔ عابد کا دل ماں کی
طرف سے ہٹتا چلا ہی جا رہا تھا جو کچھ تھوڑی بہت گنجائش باقی تھی وہ بھی ختم ہوئی۔
بغاوت کا بخار جو اندر ہی اندر گھٹ رہا تھا ابل کر چڑھ آیا اور اس نے تیرے گھر کی
آمدورفت قطعاً بند کردی۔

ساس کی وقعت بہو کی نگاہ میں جب میاں بات بھی نہ پوچھتے تھے لونڈیوں سے
بدتر تھی اب تو میاں پیچھے پڑے تھے جو کچھ نہ کرتی وہ تھوڑا۔ روسیاہ علانیہ اُن بیگناہ
کو ایسی باتیں کہتی تھی کہ سننے والے پناہ مانگتے تھے کیسے بہتان جنکا سر نہ پیر۔

کیسے کیسے الزام جوڑے گئے، نہ سُنے اور کیسے کیسے کوسنے کہ الامان الحفیظ۔

عابد کے ہاتھوں یہ صدمہ آخر وقت میں ماں کو ایسا پہنچا کہ بالکل ہی پٹڑا کر دیا۔ بجا چڑھا ہوا ہی آنکھ سے زار قطار آنسو بہہ رہے ہیں الگ کونے میں پڑی ہوئی ہیں اور سائرہ کمبخت ناہنجار گستاخ مردار کھڑی باتیں بنا رہی ہیں۔

جزاک اللہ سائرہ کی ساس کو بہوسے بہ کچھ اذیت دی مگر کیا مجال جو کبھی بیٹے سے شکایت کا خیال بھی کیا ہو۔ اس فریاد کی صاحبزادے کے اجلاس سے جتقدر داد ملتی وہ تو ظاہر ہے مگر کچھ تو کوشش کرتیں کہ ان آفتوں سے رہائی پاؤں لیکن نہیں آپ سب کچھ منظور کیا ہو کے برخلاف آج کیا کبھی اور بیٹے کے آگے کیا کسی کے آگے ایک لفظ زبان پر نہ لائیں۔

یہ سائرہ کی محض حماقت و نادانی تھی کہ اس نے ساس سے عداوت رکھی اور اُنکو دشمن سمجھا۔ ساس اگر چاہتیں تو عابد بیوی کے گھر میں جا کر جھانکتا بھی نہیں۔ سب سلوک و اتفاق طاق میں رکھا رہ جاتا مگر وہ ہمیشہ یہی کہتی رہیں کہ میں نا اتفاقی کے لئے تھوڑی لائی ہوں میری زندگی چار دن کی ہے میں نے کیوں ایسا کام کیا کہ یہاں بھی بدنام ہوئی اور وہاں کا بھی عذاب لیا میری تو جس طرح کٹنی ہے کٹ ہی جائیگی ان دونوں میں پیار و اخلاص رہے کہ عمر بھر پیار کرتی ہیں۔

عابد کی مولویت ملائیت علمیت عقیدت جو کچھ تھی عقلی ہی تک کی تھی۔ گھر میں فاتحہ تھا تو سو بیوقوفوں کے بیوقوف تھے۔ چار پیسے پاس ہوئے تو حکیم سقراط کے بھی کان کترنے لگے۔ جس شخص کو لوگ گونگا کہا کرتے تھے اب وہ اس طرح بڑھ بڑھ کے بولتا تھا کہ جو سنتا تھا وہ تعجب سے اور جو دیکھتا تھا وہ حیرت سے۔ عقیل ہوئے۔ فہیم ہوئے۔ سنجیدہ ہوئے۔ ہوشیار ہوئے ذہین ہوئے۔ متین ہوئے۔ پھر شوقین کیوں نہ ہوتے یا تو بارہ مہینے جاڑا ہو یا گرمی سر پر کہ چیلا ہوا کیسرہ رکھا ہی یا اب بال رہنے لگے۔ دوسر

تیسرے تیل بھی پڑنے لگا۔ تیسرے چوتھے کنگھی بھی ہونے لگی۔ کرتوں میں کف ہونے لگے۔ موریاں ٹخنوں سے نیچی ہونے لگیں۔ جوتی یا تو ادھوڑی استر کہ ایک دفعہ پہن لی تو دو برس کو فارغ ہوئے۔ یا گرل نیچے سلیم شاہی ہوئی۔ سلیم شاہی سے گرگابی ہوئی گرگابی سے بوٹ ہوا۔

جب عابد جیسا میاں از سر نو جوان ہو گیا تو سائرہ جیسی بیوی جس کے دل میں خواہش و ارمان کا خزانہ بھرا پڑا تھا کیا کچھ نہ ہوتی ماں کا سایہ مرنے کے بعد سر سے اُٹھا مگر سائرہ نے ساس کو اتنا تنگ کیا کہ انہوں نے جیتے ہی جی بہو کے ساتھ بیٹھنے سے بھی ہاتھ اُٹھایا۔ عابد آزاد ہو گئے۔ سائرہ کھل کھیلیں۔ صبح اُٹھی صابون سے منہ ہاتھ دھویا۔ کنگھی چوٹی سے فرصت پا کر ناشتہ کیا۔ کچی چکن کا گھٹنوں تک کا ڈھیلا کرتہ۔ کٹوریز کی صدری۔ ساز لگا ہوا گھڑی پڑی ہوئی۔ ساٹن کا تنگ چست اڑا پاجامہ۔ سج بنی سنوری اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ مولوی صاحب مرحوم کا گھر تو گھر شاید بیوی بھی عمر بھر میں ایک آدھ دفعہ کرسی پر بیٹھی ہونگی۔ تقدیر کی کیا خبر تھی کہ بہو بیگم کے ہاتھوں سب کرم پورے ہونگے۔ کھلی نہیں بیسن نہیں آنولے نہیں ریٹھے نہیں۔ منہ دھوئے گی وہ صابون سے سر دھوئیگی وہ صابن سے۔ جوتی پھینکی تو وارنش کی۔ میاں تم ڈھیلی ڈوری چھوڑی بیمار نے بات کرنی چھوڑ دی۔ جیٹھانیوں نے آنا چھوڑا مگر سائرہ نے اپنے کوتک نہ چھوڑے جو جو کچھ کر سکتی تھی سب ہی کچھ کیا۔ گرمیوں میں ساڑھیاں باندھیں۔ جاڑوں میں گلوبند باندھے ہاتھوں میں کھڑیاں پاؤں میں گیتیں۔ غرض جو کیا ایسا کیا کہ تمام دنیا میں تمام روشن ہو گیا۔

(۴۵)

عابد کی ماں اِدھر تو چھٹ پٹا اُدھر گئے دن کی بیمار صاحبزادے برخوردار کے یہ کوتک بہو سلیقہ شعار رکھ دی گئیں۔ بخار نکالنے کا موقعہ ملا نہیں۔ غصہ کا اظہار کر دیتیں کچھ ہوتا

بجز اس تو نکل جاتی۔ اندر ہی اندر جلتے جلتے اور گھلتے گھلتے چارپائی سے لگ گئیں۔
مگر لعنت ہو خدا کی کمبخت عابد پر ماں کی یہ کیفیت ہو گئی اور نمک حرام جا کر نہ پھرا۔
رات کے وقت ایک دن اوپر تو کھانی کو بی بادی اوپر سے شلجم کا اچار ٹھنڈا برف کھانا
تھا کہ ہچکیاں لینے لگیں۔ عابد کو جانا اب بھی غضب ہوا۔ کام تو تمام ہو ہی چکا تھا
مگر ابھی بڑی بی کی قسمت میں اور تھوڑے دن دنیا کا عذاب بھگتنا تھا۔ صبح تک
لوٹ پیٹ کر ٹھیک ہو گئیں۔ ہوش آیا تو ایک وہ صدمہ بیٹھا۔ دور دور کے رشتہ دار
مرد اور عورتیں سب ہی عیادت کو آئے مگر نہ آیا تو پیٹ کا بیٹا اور سگی بہو اب البتہ
برداشت نہ کر سکیں۔ چھوٹی بیٹی کو بھیج کر (جو اب دو بچوں کی ماں تھی) عابد کو بلوایا۔ بہن
نے ادھر ادھر دیکھا کہیں نظر نہ آیا۔ سائرہ سے کہا:۔

بھابی جان چھوٹے بھائی کو اماں جان بلا رہی ہیں۔

سائرہ۔ پھر بلا رہی ہیں تو لیجاؤ میں نے کیا ٹانگ باندھ رکھی ہے۔

نند۔ بھلا بی میں نے کیا کیا۔ انہوں نے بھیجا میں آگئی۔ بات کرتی ہو کاٹنے
کو دوڑتی ہو۔

سائرہ۔ بوا اور جو تمہارا دل چاہے کہہ جاؤ۔ کتنا بناؤ۔ گدھی بناؤ۔ نند ہو
ہنسی ٹھٹھا تھوڑی ہے۔

(عابد پاخانہ میں سے) بھاگ جاؤ یہاں سے کہدو نہیں آتے۔

بہن بڑبڑاتی ہوئی گھر چلی آئی۔ عابد کھانا کھا پی مدرسے چل دیئے تیسرے پہر
واپس آرہا تھا۔ اتفاق سے بڑی بھاوج ڈولی میں سے اتر رہی تھی۔ دیور کو دیکھ کر
پاس بلایا اور باتیں کرتی ہوئی اندر لائی۔ عابد آئے تو سہی مگر سوچتے اور بیوی کے
ماں کے دل میں پہلے ہی برسوں کا غبار بھرا ہوا تھا۔ عابد کو بھولا ہوا دیکھ کر
اور بھی آگ بگولا ہو گئیں۔ ابھی کچھ بولنے نہ پایا تھا کہ ماں نے کہا۔

بیٹا! اسی دن کے لیے تم کو پال پوس کر جوان کیا تھا کہ ہم کو دشمن سمجھو۔ عابد میاں
ہم نے اسی واسطے تمہاری خدمت کی تھی کہ غیر خیر کوآئیں اور تم دیوار بیچ بیٹھے رہو۔
اسی لئے تمہاری اللہ آمین کی تھی کہ مہینوں تمہاری صورت کو ترسیں۔ دروازے
سے دروازہ ملا ہوا اور تم کو دم بھر کے آنے کی فرصت نہیں اللہ تم کو اس سے زیادہ
ثروت دے۔ دولت ہوجاتی ہے تو کیا ماؤں سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ تمہارے پیسے
کی طلبگار نہیں تمہاری صورت کی بھوکی ہوں تمہاری یہ کیفیت کہ میری شکل سے
بیزار۔ لڑائی پر آمادہ نصیحت پر تیار جو کہیں تمہارے در پر آپڑتی تو کتے کے ٹھیکرے
میں پانی پلادیتے۔ میاں وہ خدمت اور اطاعت کہاں گئی اسی واسطے شادی
کروائی تھی کہ ماں کے منہ کو آگ لگاؤ۔ باپ مر کر چھوٹے! ماں کو جیتے جی چھوڑا میں
نے کیا گناہ کیا۔ بہو کی شان میں کیا گستاخی کی۔ تمہاری جناب میں کیا قصور کیا جو سزا وار
ہوگئی۔ اللہ اللہ میاں عابد! حفیظ تم کو بلانے جائے اور تم گھرک کر نکال دو بیوی کی
محبت ایسی غالب ہوئی کہ ماں بہنیں سب پاؤں کی جوتی ہوگئیں۔ سدا دنیا میں رہنا نہیں
ہے خدا کے ہاں کیا منہ دکھاؤ گے اللہ رکھے اپنے آگے بچے ہیں۔ ذرا دل پر ہاتھ
رکھکر دیکھو ہم نے کبھی اسی طرح خدمت کی ہے۔ رات بھر جاگ کر صبح کی اور دن بھر ایک ٹانگ
سے لئے پھری ہوں جب یہ صورت دیکھنی نصیب ہوئی ہے۔ میں تو جس طرح ہوگا اپنی
زندگی پوری کر ہی جاؤنگی مگر تم اپنی کہو ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو۔ دنیا کیا جہنم میں
کھوک رہی ہے میری تو ماں ہی ہے جس وقت سامنے آکھڑے ہوگے چھاتی سے لگالوں گی
مگر خلق کا حلق تھوڑی ہی بند کرسکتی ہوں میری زندگی کو غنیمت سمجھو۔ مر جاؤں گی
تو سر پر ہاتھ رکھکر روؤ گے۔ میری آج کی بات یاد رکھنا یہ میرا ہی دم ہے جو الگ گھر
کئے چین سے بیٹھے ہو۔ میری آنکھ بند ہوئی تو کوئی بات بھی نہ پوچھیگا۔ میری ہی جا
کا اثر ہے کہ لاکھوں کے لال بنے ہوئے ہو۔ تم نے اتنا کچھ کیا اور میں برداشت کرتی ہی

آج مجبور ہو کر زبان سے نکالا ہے مگر اب کیے دیتی ہوں۔ عابد! میرا کلیجہ پک گیا۔ میری آہ نہ لو۔ دین و دنیا دونوں سے جاتے رہو گے تم ہم سے بے خطا بے قصور ایسے فرنٹ ہو گئے ہم کو دیکھو تمہاری خفگیاں سنیں۔ تمہارا غصہ اٹھائیں اور تمہارے پھانس لگ جائے تو بے چین ہو جائیں بیٹا! وہ وقت یاد کرو جب لاچار گود میں پڑے تھے۔ آج جوان ہو کر فرنٹ خیر میاں عابد خوش رہو آباد رہو۔

عابد کا منہ ہی کیا تھا جو ماں کی بات کا جواب دے سکتا۔ چپکا اٹھ چلا آیا۔ بیوی سے باتیں کر رہا تھا کہ سردی لگنی شروع ہوئی بخار چڑھ آیا۔ سینے میں درد ہونے لگا۔ گھنٹہ ہی بھر میں درد نے یہ کیفیت کر دی کہ ہاتھ پاؤں بالکل سرد ہو گئے۔ چہرہ زرد ہو گیا۔ ماں کے سنتے ہی حواس جاتے رہے۔ دوڑی ہوئی آئیں۔ یہاں آکر دیکھا تو بہو بیٹی شلجم کے اچار سے اسبر کی کھچڑی کھا رہی تھیں اور بیٹا پڑا ہائے ہائے کر رہا تھا اپنے ہاں سے لا کر کوئلے سلگائے کہیں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر روغن نکالا۔ اندھیرے میں ایک جگہ ٹکر کھا کر گر بھی پڑیں۔ مگر اس ماتا کمبخت کے آگے کچھ بھی نہ معلوم ہوا بیٹھی سینکتی رہیں کہیں بارہ بجے جا کر ذرا درد ہلکا ہوا۔ سائرہ اور بچے تو کبھی کے پڑ کر سو گئے تھے۔ درد تھا تو عابد کی آنکھ بھی لگ گئی مگر ماں بیچاری بیٹھی کوئلے دہکاتی رہیں۔ صبح کا ایک پھلکا کھائے ہوئے تھیں چل نہیں سکتی تھیں پھر نہیں سکتی تھیں مگر خدا جانے اس وقت اتنی طاقت کہاں سے آگئی تھی کہ عابد کی پٹی پر بیٹھ کر تمام رات گزار دی۔

صبح اٹھ کر پھر وہی بیوی اور وہی میاں۔ اماں ہی دشمن کی دشمن۔

(۴۶)

عابد مدرسے میں نوکر ہوتے ہی نیم تر ہو گئے تھے پروفیسر ہونا تھا کہ پورے ہی مستر ہو گئے۔ وہ عابد کہ اگر پان میں ایک پھول لونگ کا زردے کا ہاتھ لگ

جائے تو گھنٹوں ڈبکیاں لیتا پھرے۔ ہر گھڑی سے سگریٹ اور سگار اڑاتا وہ شخص جو دن رات
قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا۔ بخاری اور مشکوٰۃ کے بعض مقامات پر شبہ کرنے لگا (نعوذ باللہ)
نوبت یہاں تک پہنچی کہ نماز بھی پنجگانہ سے سہ گانہ رہ گئی۔ وہ بھی گھر میں جماعت سے
نہیں۔ جن باتوں کو پہلے فرض و مستحب سمجھتا تھا اب انکو بدعات و مکروہات بتانے
لگا۔ قیاس کا پھیلا ایسا لگا کہ احادیث صحیحہ کو ضعیف و کمزور سمجھا۔ شدہ شدہ یہ خبر تمام شہر
میں مشہور ہو گئی۔ جو لوگ عابد کو صلح و اسعد عالم و فاضل قابل و معقول نیک و بھلا مانس
سمجھتے تھے صورت سے متنفر اور صحبت سے گریز کرنے لگے۔

اس وقت عابد کی بڑی لڑکی تیرہویں بلکہ چودہویں برس میں تھی۔ دادی نے اپس کا
ایک لڑکا جس کی ہر حالت ہر اعتبار سے بہت مناسب تھی۔ شادی کے واسطے تجویز کیا
(کہنا چاہیے تو نہیں مگر کہنا پڑا یہ انکی غلطی تھی کہ بیٹے اور بہو کی بلا اجازت لڑکے والوں
سے ہاں کر لی) عابد سے استفسار نہیں کیا بلکہ عابد کو اطلاع دیدی کہ میں نے
لڑکی کی بات ٹھہرا دی ہے۔ لڑکا ماشاء اللہ بہت اچھا ہے پڑھا لکھا غریب نیاب پچیس
روپے مہینہ کا کرایہ اس کے نام الگ ہے۔ میں تو چاہوں جمعرات کو نکاح ہو جائے وداع
ہوتی رہیگی۔

سائرہ۔ میں تو انکے ہاں مر کر بھی نہ دونگی۔ اچھی جگہ ٹھہرائی۔ وہ موئے کنجوس خدا نے
ست بھیڑے بہو کی کیا قدر جانیں بڑی تو پہلے ہی بیٹی نصیبوں کو جھینک رہی ہے۔ چھوٹی
کو لا کر جدا ہی نہال کریں گے۔ خالہ جہانرا (جہاں آرا) بیچاری نے دو پہرے گہنے سے
بیٹی کو رخصت کیا۔ جڑاؤ الگ سادہ الگ برس کے اندر ہی اندر سب بیچ کر کھا گئے
تانبے کا تار بھی نہ رہا۔ زاہد کے بیاہ میں آئی تو تھیں۔ ڈوب مری وہ ساس انہیں شرم
نہ آئی اپنے کانوں میں تو چھپکے کے بالے بہو کے کانوں میں ڈھینگ کے پتے بھی نہیں۔
میں کیا سن نہیں چکی یا دیکھ نہیں چکی لونڈیوں سے بدتر بہو کا ہڈ را کر کھا ہے۔

سوسیوں کے پاجامے دو دو گز کی اوڑھنیاں کھلا جوتی جھمجھڑا کرتے اٹھتے جوتی بیٹھتے لات صبح چار بجے کی اٹھی دن بھر کولہو کے بیل کی طرح پھرتی ہی مگر جب شتوبرا۔ ساسیں ان کا مزاج نہیں ملتا۔ سسرے ہیں ان کے بجا دیتا ہیں۔ میاں ہیں وہ بغیر مردار کے بات نہیں کرتے۔ دن بھر ساس سسروں کی خدمت کرے۔ رات بھر میاں کے پیر دبائے۔ بہو کیا ہے داہیوں کی لونڈی ہو گئی۔ ساس جن جن کے پھینکتی جائیں۔ بہو بچوں کو پالتی جائے۔ میں تو زہر دوں اور اُسکے ہاں نہ دوں۔

عابد۔ آپ کی عقل ذرا بڑھاپے میں سٹھیا گئی ہی یا کچھ پوتی سے دشمنی ہی۔ ابھی تو میں جیتا بیٹھا ہوں مر تو نہیں گیا۔ مجھ کو آپ سے زیادہ فکر ہی آپ فکر نہ کیجئے میں آپ کر لوں گا

ساس نے بہو کی گفتگو اور بیٹے کا یہ کلمہ سنکر جواب تو کیا کیا مجال جو ایک لفظ بھی زبان سے نکالا ہو اٹھکر اپنے ہاں چلی آئیں۔ تقدیر کی بدنامی لکھی ہوئی کہنے میں جھوٹا بنتا تھا نہیں۔ جیسا کیا ویسا پایا نہ پرائی اولاد کو اپنا سمجھتیں نہ یہ نوبت آتی۔

(۴۷)

میاں عابد نے جہاں اور خاک اڑائی وہاں ناظم بھی بنے ناشر بھی بنے مہینے کے مہینے مشاعرہ ہوتا تھا۔ برس میں ایک آدھ ناول بھی لکھ لیتے تھے احباب کی تجویز سے ایک عظیم الشان مشاعرہ تجویز ہوا۔ بڑے بڑے شعرا مدعو ہوئے۔ عابد کے ذی علم ہونے میں مطلق کلام نہیں غزل لکھی اور بہت اچھی لکھی۔ طرح تھی ع۔

شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز

طرح شگفتہ محنت کی لکھی ہوئی غزل ہر شخص سے داد چاہتا تھا۔ حالانکہ ابھی مشاعرہ میں آٹھ دس دن باقی تھے مگر تمام شہر میں غزل کی شہرت ہو گئی۔ عابد کو کچھ ایسا خبط سوار ہوا کہ کہیں ہو اور کسی حال میں ہو جس سے ملا دوست ہو عزیز ہو جان پہچان ہو سمجھدار ہو بیوقوف ہو سمجھے نہ سمجھے سلام علیک کی اور غزل شروع کر دی۔

وہی میر صاحب (بڑے میاں) جو یافت تنخواہ کا ذریعہ ہوئے تھے اور عابد ہی کو نہیں بلکہ مولوی صاحب کے تینوں لڑکوں کو اپنے لڑکوں سے سوا سمجھتے تھے۔ مدرسہ کی ملازمت میں گو وہ وجہ کامیابی نہ ہوں، مگر مشیر و صلاح کار وہی اسکے۔ انہوں ہی نے عابد کو دوبارہ آمادہ کیا ورنہ وہ تو کنارہ کش ہو ہی چکا تھا۔ اب عابد کے حالات سُن سُن کر انگاروں پر لوٹتے تھے۔ حالانکہ اس نے اُنکے پاس آنا جانا قطعاً ترک کر دیا تھا۔ مگر میر صاحب کا گھر کون سے ہزاروں کوس تھا۔ دو چھوڑ تیسرا گھر میر صاحب کا۔ دم دم کی خبر پہنچتی تھی دو تین دفعہ سمجھانے کا ارادہ بھی کیا۔ کئی دفعہ مڈبھیڑ بھی ہوئی مگر کچھ ایسی نفرت سی ہوئی کہ منہ پھیر کر چلے گئے۔

عابد تو نشۂ غزل میں سرشار ہو ہی رہا تھا ظہر کی نماز کے بعد میر صاحب بیٹھے تلاوت کر رہے تھے کہ عابد ٹخنوں تک بوٹ پہنے ہوئے ننگے سر ہاتھ میں سگریٹ، عینک لگی ہوئی غزل لئے ہوئے چرچر کرتا پہنچا۔ میر صاحب لاحول پڑھ کر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

عابد۔ ذرا اس غزل کو ملاحظہ فرمائیے۔ دیکھئے کس محنت سے لکھی ہے اور اس صنعت کو دیکھئے کہ عشق حقیقی اور مجازی دونوں کھپا دیئے۔

میر صاحب۔ بہتر ہوگا کہ آپ مجھ سے زیادہ گفتگو نہ کریں ممکن ہے میری کوئی بات ناگوار خاطر ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کی اس غزل کو سنکر تضیع اوقات کروں۔

عابد۔ تعجب ہے کہ آپ کو مضامین سے بالکل لگاؤ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سخنور بالکل ناپید ہو گئے۔ ایک شخص تو محنت و مصیبت اُٹھا کر خون جگر کھا کر کچھ لکھے اور دوسرے بجائے قدردانی کے اس کی جانفشانی کو انگشت نما کریں اس کو مطعون کریں۔ اگر آپ ذرا تاریخ پر نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو جائے کہ شعر کیا چیز ہے اور اس نے کس کس وقت کس کس کے ساتھ کیا کام کیا ہے۔ کوئی زمانہ کوئی ملک کوئی قوم اس سے

محروم نہیں۔ ایک وہ وقت تھا کہ شاعر کے عیوب بھی مستحسن سمجھے جاتے تھے۔ ایک آج
کا دن ہے کہ آپ میری غزل کا سننا تضیع اوقات فرماتے ہیں۔ شاعری ایک ملکہ خداداد ہے
جو اکتساب کے بس کا نہیں۔ سچ پوچھئے تو شاعری ذریعۂ قربِ الٰہی ہے جو نہ صرف اپنے بلکہ
دوسروں کے اخلاق ذمیمہ کی اصلاح کرنیوالی چیز ہے۔ اگر سلف سے آجتک ایسی ہی ناقدری
ہوتی تو آج بائرن۔ ملٹن۔ شیکسپیر۔ ہومر۔ سروالٹر سکوٹ۔ رودکی۔ فردوسی۔ حافظ۔
سعدی۔ انوری۔ خاقانی۔ ظہیر فاریابی وغیرہ کا کوئی نام بھی نہ جانتا۔ ان بزرگواروں
نے جس قدر ملک و قوم کی خدمت کی اور فائدہ پہنچایا وہ نہاں نہیں مگر اس کی وجہ کیا تھی
صرف یہ کہ لوگ تعریف کرتے تھے۔ دل بڑھاتے تھے۔ چلئے دنیاوی معاملات کو جانے دیجئے
حقیقت و معرفت کی طرف آئیے۔ غوض و تفکر مجہت معصیت عشق و محبت کا ایک حمد و
نعت کا شعر پچاس برس کی عبادت پر سبقت لیجاتا ہے۔ نمازی کی نماز وہ بھی اگر صمیم قلب
سے ہو ادا اُسکی فرض ہے لیکن شاعر اپنے شعر کے ذریعہ سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں لاکھوں
بندگان خدا کے خیالات کی اصلاح کرتا ہے۔

میر صاحب۔ میاں صاحبزادے! جاؤ۔ اپنا کام کرو۔ مجھ کو نہ ستاؤ میں بھرا
بیٹھا ہوں۔ تم میرے پھوڑے پر نشتر دے رہے ہو۔ سیروں مواد بھرا ہوا ہے۔ یہ تمام اُجلے
اُجلے کپڑے خراب ہو جائینگے۔ شہر میں سینکڑوں ہزاروں آدمی اس مذاق کے ہیں۔ غزل
سناؤ تعریفیں سنو۔ ایک شخص نے تو کی نہیں ہے۔

عابد۔ اس خیال کی کوئی وجہ۔ نفرت کا سبب۔ مخالفت کی دلیل۔ میں آپ سے
مدلل گفتگو کرنی چاہتا ہوں۔ تاکہ جو غلط فہمی آپ کو واقع ہوئی ہے وہ رفع ہو جائے۔

میر صاحب۔ تمہارے باپ اگر کہتے تو بجا تھا۔ تم نا تک پڑا ہوکے لونڈے میری
غلط فہمی کیا رفع کروگے۔ تمہاری غرض اس غزل سے تو یہ ہے کہ وہ لوگ کہ سننے والے
تعریف کریں۔ مرحبا اور سبحان اللہ کے نعرے لگائیں۔ کہ میں تمہاری طرف سے

آگ لگ جائے، قوم تمہاری طرف سے برباد ہو جائے۔ مگر تمہارا کلام باعث شہرت ہو جائے
تمہارے ارادوں میں خود غرضیاں مضمر تمہاری کوششوں میں ہوس نام و نمود پوشیدہ
نام آوری تمہاری علت غائی۔ مدح و ثنا تمہاری توقع تحسین و آفرین تمہاری امید
تمہارے اقوال افعال تحریر تقریر چوٹی سے لیکر ایڑی تک نفسانیت سے آلودہ مقاصد
ذاتی سے پر اغراض خسیس سے وابستہ۔ گمراہی کا ذریعہ ترغیب تحریص کا مخزن
شہرت تمہارا مطلوب عزت تمہارا مقصود۔ بس یہ کل کائنات ہے جس پر پھولے پھر
رہے ہو۔ میں سچ کہتا ہوں۔ اگر آج رات کو کوئی ایسی ہوا چلے کہ تمہارے سوا تمام دنیا
سوئی کی سوئی رہ جائے تو اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر باقی سب کا تم کو صرف اتنا رنج ہو کہ
غزل سنانے کا موقع میسر نہ ہوا ملک نہ قوم کو تو جانے دو۔ محلے اور کوچے کو اگر تم
کوئی فائدہ پہنچا تو یہ کہ جس پر تمہارا پرچھاواں پڑا وہی لامذہب ہو گیا۔ خدا کو برا کہنے میں
تمہیں باک نہیں رسول اللہ کی شان میں کلمات ناشائستہ استعمال کرنے میں تم کو گریز نہیں
ائمہ عالی مقام کو برا کہو صحابہ کرام کو خود غرض بتاؤ۔ مذاہب میں خدشات پیدا کرو
معجزات کو غلط ثابت کرو۔ واقعات کا بطلان کرو عقاید میں خلل ڈالو۔ احادیث کی
ہنسی اڑاؤ۔ کلام الٰہی میں غلط معنی لگاؤ۔ لوگوں کو برگشتہ کرو حسن و عشق کی تصویریں
کھینچو مردوں کو بہکاؤ عورتوں کو ورغلاؤ لڑکے جوان ہوتے ہی عشق کے بندے ہو جائیں
لڑکیاں آنکھ کھولتے ہی عشق کی چھری ہو جائیں۔ اس پر فوائد ذاتی کے متوقع اور صلہ کے خواستگار
لعنت تمہاری توقع پر اور پھٹے منہ تمہارے صلہ پر میں صرف تم کو کہہ رہا ہوں عام
شعراء سے مراد نہیں) پھر یہ بھی تو نہیں کہ کہہ کر پشیمان ہو اور کرکے نادم ہوتے ہو اور چلتی
رؤس الاشہاد کرتے ہو اور علانیہ تمہاری نالائقی کا حال میں بہت عرصے سے سُن
رہا ہوں۔ تمہارے والد ماجد نے کیسی کیسی محنت و مصیبت سے تم کو پالا پوسا کیا
جنکی خدمت کا یہی معاوضہ تھا کہ آخر وقت تمہارے ہاتھوں ان کا دم ناک میں آجائے

وہ اسی کی مستحق تھیں کہ تم انکو نکال کر اس طرح پھینکدو جیسے دودھ میں سے مکھی - کیا ہمیشہ
یہیں بیٹھے رہو گے یا اس کی باز پرس ہوگی - اس کا مواخذہ نہ ہوگا اس کی سزا نہ ملے گی -
والدین کی ناراضگی اگر کہیں باعث مغفرت لکھی ہوئی ہو تو مجھے بھی بتادو - کیا جواب صحیح ہے؟
التنازع عن یمینی والتنازع عن شمالی والتنازع عن تحتی والتنازع عن فوقی کا یہ بھی قیامت کے قریب
ہونے کا ایک ثبوت ہے۔ و اطاع الرجل امرأته و عق امه اسی برتے پر مغفرت کی امید
کرتے ہو یہی اعمال و افعال سبب بخشش ہو سکتے ہیں شعرا کی تقلید پر جو تم کمر بستہ ہوگئے
یہ نہ دیکھا کہ وہ کیا زمانہ تھا اور آج کا کیا دن ہے جتنا وقت تم نے ان مشاغل لایعنی میں
ضائع کیا اگر کسی کار خیر میں صرف کرتے تو کتنا اچھا ہوتا - میں تمہارے ناول طالب
مطلوب عاشق و معشوقہ دیکھ چکا ہوں - اس کے سوا اور کیا داد دے سکتا ہوں
کہ پھوٹ جائیں وہ آنکھیں اور ٹوٹ جائیں وہ ہاتھ جس سے لکھے گئے - اس میں شک نہیں
کہ تم نے حتی الوسع بھولے مانسوں کے گمراہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہاں
اردو کو تم سے اتنا فائدہ ضرور پہنچا لیکن تو پہلے ہی سے پڑی ہوئی تھی - تم نے اپنا
دست شفقت پھیر کر اور بھی حلال کر دیا - میں تمہارے باپ دادا بلکہ اور دو ایک پشتوں
تک سے واقف ہوں - گو دیکھا نہیں - مگر انکے محامد اخلاق انکی علمیت فضیلت کا آج
تمام شہر میں ڈنکا بج رہا ہے مولوی صاحب مرحوم کی خدمت میں کچھ نہیں تو دن رات میں
چار پانچ گھنٹے مجھکو بیٹھنے کا اتفاق ہوتا تھا اگر ایک دفعہ بھی انکی زبان سے ایسے الفاظ
سنتا تو صبر کر لیتا کہ خیال توارث ہو گیا مگر تعجب یہ ہے کہ انکے سامنے تو ایسے متزلزل عقیدہ
آدمی کا گذر بھی نہیں ہو سکتا تھا - خدا کی شان ہے ولیوں کے ہاں بھوت ہو جائیں - میرے
خیال میں تم مفقود العقل نہیں ہو - میں تم کو صحیح الحواس دیکھتا ہوں اور یقین کرتا ہوں
کہ اگر ذرا عقل سے کام لو تو سمجھ جاؤ کہ میرا کہنا کہاں تک درست ہے - میرا یہ مطلب نہیں
کہ جو کچھ کہوں بلا کم و کاست منظور کر لو - میں عالم نہیں فاضل نہیں مذہب کا محقق نہیں

محدث نہیں مگر یہ ضرور کہوں گا کہ چار میں سے تین نہیں تو دو باتیں ضرور ایسی نکلیں گی کہ جن کی لکیر تم مغلوب ہو شہائے نفسانی ہو رہے ہو کہ فلاح و بہبودی کا جال پھیلا کر اس آڑ میں شکار کھیلتے ہو۔ تم غالباً میرے خیالات کو محاسدات سے تعبیر کرو گے مگر بخدائے لایزال تمہاری موجودہ طرز زندگی کا جس وقت گذشتہ اوراد و وظائف سے مقابلہ کرتا ہوں تو کلیجے پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔ خدا اس سے زیادہ تم کو عمر از دراز دے۔ مگر بعد اپنے خیالات کی درستی اور اپنے حالات کی اصلاح کرو۔ ان توہمات سے کنارہ کرو اور اس خود پسندی پر لعنت بھیجو۔ تمہاری قسمت میں آوارگی لکھی تھی۔ ملازمت اور صحبت موجبات ترغیب ہو گئیں۔ لیکن میری رائے میں اب بھی تمہاری حالت ممکن الاصلاح ہے۔ تمہاری طبیعت ان نقائص کی عادی ہو گئی ہے خلقی و فطری نہیں ہے۔ استخفاف مذہب ایک ایسا مرض ہے کہ رفتہ رفتہ مزمن ہو کر دین و دنیا دونوں سے کھو دیتا ہے۔

عابد کی غزل تو بندر کا ناریل یا اندھے کی بٹیر تھی۔ میر صاحب اپنا مضمون سنا رہے تھے اور وہ اپنے مضمون میں مخبوط تھا۔ بعض باتیں سنی تک بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ کس آفت میں پھنس گیا۔ میر صاحب نے ذرا دم لیا تھا کہ سلام علیک کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

منزل چہارم

عالم ضعیفی

چمنستان شباب کے اس کنارے پر حیات آباد سے ملا ہوا دریائے اختلاط لہریں لے رہا تھا۔ ضعیفی کی کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر لوگ پار اترنے کی کوشش کر رہے تھے۔ موجوں کے تھپیڑے پانی کے گرداب پہاڑوں کی چٹانیں باد مخالف کے جھونکے

دنیا جہان کے سامنے مشکل سے آنے دیتے تھے۔ غفلت و لاپروائی کے ناخدا جب کسی بلا کا سامنا ہوتا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے۔ مسافروں کی آنکھوں پر ایسے غفلت کے پردے پڑے تھے کہ ساتھ کی کشتیاں برابر ڈوبتی چلی جاتی تھیں اور اپنی بربادی کا خیال بھول کر نہ آتا تھا۔

حیات ابدی کا تکیہ لگائے ہوئے ہوس و ارمان کے میٹھے ترانے سنتے چلے جاتے تھے۔ اختتام سفر کا کوئی وقت معین نہ تھا۔ زندگی کے تمام سامان کشتیوں میں موجود تھے اور دنیا بھر کے کاروبار پانی میں ہو رہے تھے۔ عاقبت اندیشی کا گذر نہ تھا انجام پر نظر نہ تھی۔ غرور کا سودا دماغوں میں سمایا تھا۔ طمع زردست شفقت پھیر رہی تھی ذرائع ناجائز گرد میں لوٹ رہے تھے بے ایمانی کی گھٹا سروں پر چھائی ہوئی تھی نام و نمود کے کہر نے کوسوں تک تیرہ و تار کر رکھا تھا۔ ناپائیداری دنیا کا ابر ملا ہوا سروں پر کھڑا تھا مگر ہٹ دھرمی خود پسندی کی خوبصورت دیبیاں آنکھ اٹھانے کی مہلت نہ دیتی تھیں۔ ریاکاری کا تلاطم برپا تھا مکر و فریب کے گھڑیال منہ کھولے بیٹھے تھے۔ اتلاف حقوق کے بھنور جابجا پڑ رہے تھے۔ مگر یہ امید کے بندے ہمچو من دیگرے نیست کے نعرے مار رہے تھے۔

گناہ و قصور کے اونچے اونچے پہاڑ پر اجائے کھڑے تھے۔ قطب نما اور دوربینیں خاک کام نہ کرتی تھیں پاپ کی ناؤ ٹکر کھا کر بیچ منجدھار میں ڈوبتی تھی۔

ساتھ کی کشتیوں کو ڈوبتا دیکھ کر بھی باقی ماندہ مسفر احتیاط نہ کرتے تھے اور ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ جو ڈوبا وہ اسی نتیجہ کا سزاوار تھا۔ مجھکو کوئی کھٹکا نہیں۔ دوسری کشتیوں کی تباہی دیکھ کر ہنستے تھے اور جب اپنے اوپر آ کر پڑتی تھی تو چیختے چلاتے تھے اور ڈوبتے جاتے تھے۔

دریائے اختلاط میں ایک جزیرہ ندامت نظر آیا۔ چند نیک سیرت بزرگ صورت پھونس کی جھونپڑیاں ڈالے سرنگوں بیٹھے تھے اُنکی سپید ڈاڑھیاں

اُنکے چہروں پر نور برسا رہی تھیں۔ فضیلت کے بڑے بڑے عمامے سر سے بندھے ہوئے
تھے مگر فتنہ پردازی کی چھینٹیں پڑی ہوئی تھیں اور گٹے پڑے ہوئی پیشانیوں پر کلنک
کا ٹیکا چمک رہا تھا۔ افعال گذشتہ کا تاسف اور اعمال کی پشیمانی چاروں طرف سے
گھیرے ہوئی تھی از فرق تا پا عرقِ خجالت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آسمان پر نگاہ تھی
اور لب پر اللہ ہی اللہ تھا۔

ایک گروہ دیکھا تو وہ بالکل بیکار ہو گئے تھے منہ سے بات نہ نکلتی تھی سر پر موت
منڈلا رہی تھی۔ مگر حسرت و ارمان دونو طرف سے مورچھل ہلا رہے تھے۔ انقلاب زمانے نے
اُنکی صورتیں بگاڑ دی تھیں۔ دنیا اُن سے بھاگ رہی تھی۔ اور وہ دنیا کو لپٹ رہے تھے

ایک جمِ غفیر عورتوں کا ایسا ملا کہ اس کبر سنی میں بھی جبکہ قبروں میں پاؤں لٹکائے
بیٹھی تھیں اپنی نمائش ظاہری سے فرصت نہ تھی۔ بغض و حسد کا کاجل آنکھوں میں
پھیلا ہوا تھا نخوت و غیبت کے تیل سے سر گندھے ہوئے۔ کذب و افترا کا زیور پہنے ہوئے
نافرمانی کا جھومر لگا ہوا شرک و بدعت کے پھول بکھرے ہوئے مکر و فریب کا تکیہ لگائے
ہوئے حیاتِ ابدی کا پٹہ لکھائے ہوئے تن تن کر اپنے حسن و صورت کو دیکھ رہی تھیں

ایک شخص کو دیکھا آنکھوں سے اندھا ہاتھوں سے لولا پاؤں سے لنگڑا منہ میں دانت
نہیں پیٹ میں آنت نہیں ڈاڑھی سفید بگلے کا پر پلکیں روئی کا گالا ایک درخت کے
نیچے کھڑا بیاج کے ٹوٹے کو رو رہا تھا۔

اس سے ملی ہوئی سرحدِ عدم آباد تھی جس کی پختہ و سنگین فصیل آسمان سے
باتیں کر رہی تھی۔ بلندی کا یہ حال تھا کہ پرندہ بھی پر نہ مار سکتا تھا۔ وسعت و رفعت
کی یہ کیفیت تھی کہ اندر کی آواز باہر نہ آتی تھی۔ مسافروں کو لوگ پھاٹک تک پہنچا
سکتے تھے۔ آگے کا حال کچھ معلوم نہ ہو سکتا تھا۔ دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی
تھی جس پر لکھا تھا۔

"مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنا سفر نیکنامی کے ساتھ پورا کر گئے۔ اپنی حالت میں شکرگزار رہیں جس قافلہ میں پہنچ گئے اس کے احکام پر کاربند رہیں! خوش نصیب ہیں وہ عورتیں جنہوں نے اپنے خاوندوں کے دل میں جگہ کی۔ ماں باپ کو خوش رکھا۔ عزیزوں سے اچھے سلوک کئے ہمسفروں کو شکایت کا موقعہ نہ دیا اور اپنے مذہب کے بموجب اچھے عمل کرتی رہیں۔

سائرہ اس منزل میں زیادہ قیام نہ کر سکی۔ جزیرۂ ندامت میں قدم رکھتے ہی عدم آباد کا رستہ لیا۔ ماں باپ بہن بھائی میاں۔ ساس سسرے بیٹا بیٹی عزیز و اقارب جو اس پردیسن کو اپنا سمجھ رہے تھے اور جنہوں نے مسافرہ سے دل لگایا روتے پیٹتے رہے اور وہ اپنا سفر ختم کرتے ہی چلتی ہوئی۔

اس منزل کے بعد آگے کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ سائرہ نہ رہی مگر اس کی یادگار اس کے عادات و اطوار باقی رہ گئے۔ سفر حیات کی چاروں منزلیں چشم زدن میں طے ہو گئیں وہی لوگ جو کل اس کی پیدائش کا سامان کر رہے تھے آج رخصت کی تیاریوں سے فارغ ہو گئے۔

(۴۸)

سائرہ کی لڑکی اب ماشاءاللہ سولہویں برس میں تھی۔ ساس نے ایک دفعہ اور سمجھایا مگر عابد اور سائرہ کس کی ماننے والے تھے۔ اپنی مرضی سے بیٹی بیاہی اپنی خوشی سے بیٹا بیاہا۔ اس خودسری کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیٹی تیسرے ہی دن کو سے آ لگی۔

سائرہ اور عابد دونوں کی حالت روز بروز ترقی پذیر تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ عابد کا ذرہ ذرہ سب گیا گزرا ہوا۔ دوستوں کا ہجوم دروازہ پر رہتا تھا قہقہوں کی آوازیں دور تک پہنچتیں۔ دیوان خانہ ماشاءاللہ پری خانہ بنا ہوا تھا۔ میزیں کرسیاں دیوار گیریاں بجلی کے لیمپ چلونیں پردے گھنٹے آرام کرسیاں تصویریں وغیرہ وغیرہ غرض

آرائش کا تمام سامان موجود تھا۔ باہر میاں نے بیٹھک کو غنچہ کر رکھا تھا۔ اندر بیوی
صحن کو چمن بنائے ہوئے تھیں گملے بھی تھے بیلیں بھی تھیں چنبیلی بھی تھی۔ بیلا بھی تھا
میاں نے کتے پالے بیوی نے بلیاں پالیں۔ میاں لاٹھی چوہے لائے۔ بیوی نے
رنگ برنگ کی مچھلیاں منگوائیں۔ قصہ مختصر اب بی سائرہ کا گھر عجائب خانہ تھا۔

جنوری کا شروع مہینہ تھا سردی خوب زور و شور سے چمک رہی تھی۔ رات کے
گیارہ بجے ہوں گے کسی شخص نے آکر بڑے گھر کی کنڈی کھٹکھٹائی۔ عابد کی ماں اندر
کے دالان میں لیٹی ہوئی کچھ پڑھ رہی تھیں۔ بڑی بہو بیٹھی چھالیہ کتر رہی تھی منجھلی
کے بھائی کا بیاہ تھا۔ دولہن کے سوہاگ میں چھپا ٹانک رہی تھی۔ بڑی بہو نے کہا
اماجان کوئی ہمارے ہاں ہے۔ ماما سو گئی تھی منجھلی بولی جاؤ دیکھو تو سہی کون ہے؟

بڑی۔ مجھے تو اکیلے ڈر لگتا ہے۔ چلو تم بھی چلو میں بھی چلوں۔

منجھلی۔ اچھی بوا اپنے گھر میں کاہے کا ڈر۔ چلو میں بھی چلوں۔

بڑی۔ تم نہیں تو چلی جاؤ مجھ کو کیوں لیتی۔

ساس۔ بڑی بی کو جگا دو۔

منجھلی۔ تمہیں دیکھتی ہوں۔

ساس۔ بڑی دولہن تم بھی چلی جاؤ۔

بڑی۔ ٹھہرو تو سہی آئی۔

اتنے عرصے میں کنڈی کی آواز دو مرتبہ آچکی تھی۔ دیورانیاں جٹھانیاں سب
اکٹھے ہو کر سب پاس جا کر پوچھا کون ہے
جواب جو کچھ ملا وہ گو چنداں تعجب آمیز نہ تھا مگر آواز کچھ ایسی بھاری اور غیر
معمولی تھی کہ دونوں ڈر کے پیچھے ہٹ گئیں ساس جھٹ گھبرا کر آئیں ماما آئیں۔ لڑکی آئی غرض
سب دروازے کے پاس آکر جمع ہو گئے۔ اب جو دیکھا تو صاف مولوی صاحب

مرحوم کی آواز تھی۔ مگر یہ کچھ ایسا راز تھا کہ سب کے سب متحیر کھڑے ہوئے تھے۔
ہائے تعلقات دنیا مرنے کی خبر سُنکر تو یہ رنج والم اور مرنے والے کی آواز سُنکر
یہ دہشت وخوف بیوی بھی تھیں بیٹی بھی تھی بہوئیں بھی تھیں ماما بھی تھی مگر ایک کی
اتنی جرأت نہ تھی کہ کنڈی کھول دیتا۔ اُدھر عورتیں حیران کہ یہ کہاں سے آگئے۔ اُدھر
مولوی صاحب پریشان کہ سب کھڑے بول رہی ہیں اور کنڈی ایک نہیں کھولتا
عابد کی ماں اور تو کچھ بن نہ آئی، کھڑکی کھول چھوٹے گھر میں گئیں اور بیٹے کو جگا کر
لائیں۔ عابد نے لالٹین لاکر کنڈی کھولی۔ باپ کی شکل دیکھتے ہی اوسان خطا ہوگئے
مولوی صاحب کا قدم بڑھانا تھا کہ عابد ڈر کر بھاگا۔ بہوئیں اپنے اپنے کمروں میں گھس
گئیں بیوی دالان میں جا بیٹھیں۔ بیٹی ایک کونے میں کھڑی ہوگئی۔ آدھی رات کا
وقت مردوں میں لے دے کر ایک میاں عابد عورتوں کے دلوں کا اللہ ہی مالک تھا
مولوی صاحب یہ کیفیت دیکھ کر بہت ہی متعجب ہوئے۔ جس کی طرف آنکھ اٹھا کر
دیکھتے تھے وہی بھاگتا تھا ایک سکتے کا عالم تھا سب متحیر کھڑے تھے سلام آداب
ملنا جلنا سب گیا جو ہے وہ قرآن شریف کی صورتیں پڑھ رہا ہے۔ مجبور ہوکر بیوی سے
پوچھا۔ آخر یہ معاملہ کیا ہے تم لوگ تو مجھ سے اس طرح ڈر رہی ہو جس طرح مردے سے۔
بیوی بیچاری کی آپ روح فنا ہو رہی تھی جواب کیا خاک دیتیں۔

مولوی صاحب کا واپس آنا اور مولوی صاحب بھی کیسے کہ مردہ آنا تھا کہ تمام
محلہ میں خبر پھیل گئی جس نے سُنا دوڑ پڑا۔ رات بھر لوگوں کا تانتا بندھا رہا۔ ایک
آتا تھا اور ایک جاتا تھا کہیں صبح تک جاکر گھر والوں کو مولوی صاحب کی زندگی کا
یقین آیا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ وہ محض لغو خبر تھی مولوی
صاحب کا واپس آنا تھا کہ گھر والوں کو عید ہوگئی محلہ والے
باغ باغ ہوگئے۔ مریدوں کی جان میں جان آگئی۔ درگاہ جو

بالکل کھنڈر پڑی ہوئی تھی اس میں ایک چہل پہل ہو گئی ۔ دلوں
کا شوق مریدوں کی کثرت ۔ سچی عقیدت رات بھر گلی میں بازار چلا ۔ باپ کی خبر سنکر
دونوں بیٹے پردیس سے آ گئے ۔ غرض دم بھر میں وہ سنسان مکان گلستان ہو گیا ۔ عابد
کی ماں کو مولوی صاحب کے ملنے کی ایسی مسرت و فرحت ہوئی کہ سب بیماریاں خود
بخود اچھی ہو گئیں ۔ مولوی صاحب کی عدم موجودگی میں لے گنے چار آدمی اور اتنا
بڑا عالیشان مکان یا اب ماشاءاللہ ہر وقت آدمیوں کی بستی تھی ۔ فقیر آتے خیرات
ملتی سائل آتے سوال پورا ہوتا ۔ غمگین آتے دعا پاتے ۔ مریض آتے شفا پاتے محتاج آتے
کھانا پاتے ۔ ننگے آتے کپڑا ملتا ۔ بھوکے آتے روٹی ملتی ۔

امیر اور غریب بڈھے اور جوان ہندو اور مسلمان شہر بھر میں شاید دو چار ہی آدمی وہ
بھی ڈھونڈھے سے ایسے نکلیں گے جو مولوی صاحب کو اپنا بزرگ نہ سمجھتے ہوں ورنہ
قریب قریب تمام شہر کو مولوی صاحب سے عقیدت تھی ۔ مولوی صاحب کے مزاج میں
لاکھ روپے کی ایک بات یہ تھی کہ ہندو ہو یا مسلمان یہودی ہو یا کرسٹان ہر شخص کو اسی
کے عقائد پر کاربند ہونے کی نصیحت فرماتے تھے یہ کبھی نہیں ہوا کہ مولوی صاحب نے
کسی ہندو کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی ہو دو ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ کوئی لالہ صاحب
مسلمان ہو کر مولوی صاحب کی شفقت مزید کا متوقع ہوا ۔ مگر انکی نگاہ میں جس قدر
اس کی عزت پہلے تھی اب آدھی بھی نہ رہی ۔ مولوی صاحب کا اصول ہمیشہ یہ رہا
کہ جو شخص جس مذہب میں ہو اس کے احکام کی اور اسی کے بموجب خدا کی پرستش کرے
یہی وجہ تھی کہ آج ہر دلعزیز شخص ہندوؤں میں کیا اور مسلمانوں میں کیا دنیا میں
ایک آدمی پیدا ہوا تھا جو ہوا ہو مسلمان تو بیشک مولوی عالم فاضل بزرگ پیر درویش
ولی جو کچھ سمجھتے ہوں مگر ہندو بھی فرشتہ آدمی سے کم نہ سمجھتے تھے ۔

[illegible] عابد کی شادی [illegible] بہت [illegible] تھی [illegible] پہلی (?) چلی تھی

مولوی صاحب کے قدموں کی برکت سے سب فرو ہوگئی۔ دس دس برس کے لڑکے
چار بجے سے اُٹھکر مسجد میں نماز کو آجاتے جاڑے کا موسم صبح کا سہانا وقت وہی میاں
امام الدین جیسا خوش الحان موذن اس طرح جھوم جھوم کر اذان دیتا تھا کہ کلیجے پہ
چوٹ لگتی تھی۔

اس دارالمحن میں کیسے اللہ کے بندے ہو گئے ہیں کہ عقل رسا کام نہیں
کرتی۔ مولانا صاحب کے اوصاف حمیدہ سُنکر تعجب ہوتا ہے کہ یہ یا خدا لوگ کس
خمیر سے بنائے گئے تھے۔ جو دل آزاری سے بھوت کی طرح ڈرتے تھے مصیبت میں
شریک ہونا فرض سمجھتے تھے۔ حاجتمندوں کی مدد لازم جانتے تھے سنا ہے کہ مولوی
صاحب شام کے کھانے کو اس وقت تک ہاتھ نہ لگاتے تھے جب تک یہ اطمینان
نہ کر لیتے تھے کہ محلے بھر میں کوئی فاقے سے تو نہیں سو رہا۔ بیماریوں اور یتیموں کے
پانچ پانچ سات سات برس کے لڑکے لڑکیاں دادا میاں دادا میاں کہکر چمٹ
جاتے اور انکو گود میں بٹھا لیتے۔ اے مادر گیتی ایسی نیک کوک کے لوگ اور یہ متبرک
صورتیں اب پیدا نہیں ہوتیں۔

عابد اور سائرہ کی صورت دیکھکر پہلے ہی دن مولوی صاحب کا ماتھا ٹھنکا تھا
کیفیت سنکر تو ہوش اُڑ گئے مگر جہاں دیدہ اور تجربہ کار آدمی تھے شکایت اور فضیحت کبھی
کبھی حقارت سے بھی نہیں کیا۔ جب بولے محبت سے اور جب بات کی عنایت سے
سائرہ آتی یا نہ آتی مولوی صاحب دو ایک مرتبہ بہو کے پاس ضرور ہو آتے عابد کو
سمجھانے کی تو ضرورت بھی نہ ہوئی۔ باپ کا آنا تھا کہ روز بروز درد راہ ہوتا گیا۔ میاں
کا کروٹ لینا تھا کہ سائرہ تماشا تھے سے اکڑ گئی۔ خدمت رہی نہ اطاعت وہ بھا
ہر وقت کا جھنکنا اور پیٹنا۔ سائرہ سمجھتی تھی میاں فرماں برداری کے چکنا دیر عمر
کھو کے واسطے گرداں ہو گیا تو کبھو بھی دم کرے گا۔ جو بنا نہ لگی رہ سٹیگنا۔ ممکن ہے

کہ سائرہ کا قیاس درست ہو اور یہ اس کی بد قسمتی اور عابد کی خوش قسمتی ہو کہ مولوی صاحب آگئے۔ مولوی صاحب تو غیروں کے بچوں پر جان چھڑکتے تھے عابد کی اولاد تو اُن کا خون جگر تھا۔ چھوٹی بچی آٹھ دس ہی روز میں ایسی مانوس ہوئی کہ دم بھر کو پاس سے نہ سرکتی۔ مولوی صاحب ایک روز ظہر کی نماز کو گئے ہوئے تھے اور وہ دروازے میں کھڑی دادا ابا دادا ابا چیخ رہی تھی۔ نماز پڑھ کر آئے تو دیکھتے ہی لپٹ گئی اور ہاتھ پکڑے ہوئے گھر میں چلی آئی۔ مولوی صاحب کا پاؤں ابھی چوکھٹ ہی میں تھا کہ ٹومی دکھتے، پر نظر پڑی قلعی دار پتیلی میں پانی پی رہا تھا اور بہو آرام کرسی پر بیٹھی تھی۔ غصہ میں لال ہو گئے مگر پھر بھی اتنا خیال کیا کہ اُلٹے پاؤں باہر نکل آئے ایک آدمی کو بلا کر حکم دیا کہ ان دونوں کتوں کی صورت میں اس محلے میں نہ دیکھوں سائرہ تو کیا چیز تھی۔ محلہ بھر میں کسی کی اتنی ہمت نہ تھی کہ دم مار سکتا فوراً تعمیل ہو گئی کتوں کی مفارقت کا سائرہ کی طبیعت پر اتنا اثر ہوا کہ دو وقت روٹی نہ کھائی۔ میاں سے کہا اگر مجھ کو اس گھر میں رکھنا ہے تو میرے کتے لا کر دو اور ہو سکتے نہیں تو میں بھی نہیں جہاں وہ رہیں گے وہاں میں رہونگی یا کتے لاؤ یا ڈولی لاؤ۔

اگلا زمانہ ہوتا تو کتے کیا اگر بیوی آسمان کے تارے فرمائیں تو میاں لاتے تو کیا خاک کوشش میں کمی نہ کرتے۔ اب تنے بھی تھے بڑی بات یہ تھی کہ ناخوش تھے اور اگر خوش بھی ہوتے تو کیا کر لیتے مولوی صاحب تو پیچھے رہے محلہ والوں ہی سے سلجھنا مشکل ہو جاتا عابد جو کچھ کہہ سکتا تھا وہ کہا جتنا سمجھا سکتا تھا اتنا سمجھایا مگر سائرہ وہی سبق رٹے گئی

میاں سمجھا کر باہر گیا۔ بیوی نے اسباب باندھنا شروع کیا۔

سہ اتو تھی ہی نہیں۔ پوٹلی بغل میں دابی۔ لوٹا ہاتھ میں لیا چل کھڑے ہوئے گھر تھا کچھ نہیں تو تین چار دن میں خالی کر پاتی۔ ارادہ یہ کیا کہ بڑی بڑی چیزیں پلنگ چارپائی برتن وغیرہ ساتھ لیجاؤں۔ باقی یہیں چھوڑوں مگر چلی آج ہی جاؤں۔ بچوں کی گٹھری کہنے

کے واسطے ایک مجس کی ضرورت ہوئی۔ کوٹھری میں اندھیرا گھپ۔ لیمپ جلا کر اندر گئی اوپر
تھا مچان وہ بھی بانسوں کا ٹکر لگی بانس سرک گیا۔ مچان پر تھا کاٹ کباڑ اوپر سے ایک
خوان آپڑا چمنی ٹوٹ کر ہاتھ پر آئی۔ بیٹھک کے ٹکڑے ہوئے گلا تھا ڈھیلا تبھی سمیت ٹانگ
پر آپڑا۔ خیر یہ ہوئی کہ کرتا بچ گیا ورنہ اندر ہی کام تمام ہو جاتا۔ ہائے ہائے کرتی باہر آئی
انا جانا الگ ہا۔ انگوٹھے سے لیکر کہنی تک چربی نکل آئی۔ مچھلی کی طرح تڑپنے لگی میاں نے
آکر دیکھا ڈاکٹر کے یہاں سے دوا لایا اپنے ہاتھ سے لگائی تھوڑی سی دیر کو ٹھنڈک پڑگئی
پھر وہی سوزش اور بے چینی۔

بہو کے عتاب و تجویز کی خبر ذرہ ذرہ مولوی صاحب کے کان تک پہنچ رہی تھی۔ مگر
وہ بالکل مطمئن بیٹھے تھے۔ جانتے تھے کہ ایک وعظ کی محتاج ہے جس دن سمجھانے بیٹھ
جاؤں گا اسی دن ٹھیک ہو جائیگی۔ چاہتے یہ تھے کہ سمجھانے کی ضرورت نہ ہو بیٹے کی
طرح بہو بھی راہ راست پر خود بخود آجائے مگر بہو کا جوہر شرافت اس قدر زنگ آلود ہو گیا
تھا کہ اس پر اچھے اچھے صیقل بے سود تھے۔ عمر بھر کا چڑھا ہوا زنگ دو ایک رگڑوں
میں چھوٹنے والا نہ تھا۔ مولوی صاحب کی رائے کو غلط تو نہیں کہہ سکتے مگر نہ تو سمجھ ہی میں
آتی تھی نہ کچھ جی ہی کو لگتی تھی کہ سائرہ ٹھیک ہو جائے گی۔ عابد کی صلاح کا ایک سب سے
بڑا سبب یہ تھا کہ باپ کا خوف اس کی رگ رگ میں بیٹھا ہوا تھا۔ جوان بچوں والا
نوکر چاکر مگر یہ کیفیت تھی کہ آواز سنی اور خون خشک ہوا۔ سائرہ اس سے بالکل مستثنیٰ
اس کے دل پر آج تک کسی کا خوف بیٹھا نہ خوف کی قدر جانتی اپنے گھر میں آنکھ کھول کر
دیکھا تو سب سے پہلے دادا جن کا رعب داب تو درکنار کندھوں پر سوار ہوتی۔ اور وہ ہنستے
ان کے بعد باپ ماشاءاللہ دادا سے بھی بڑھے ہوئے بیاہی گئی تو میاں ایسے ملے
کہ خدمت ناجائز کو بھی عین سعادت سمجھتے رہے پھر سائرہ کے دل میں خوف بیٹھتا تو
کس کا اور ڈرتی تو کس سے۔

خدا معلوم چمپی اور کلتے میں کس غضب کا زہر تھا۔ ہر چند علاج کیا مگر ہاتھ تھا کہ
روز بروز بگڑتا گیا۔ چھ سات روز میں انگلیاں اور ہتھیلی کہنی اور بازو سب خراب ہو گیا
صبح شام دونوں وقت جراح آکر پٹی بدلتا۔ بھر بھر پیالے پیپ اور خون کے نکلتے عقل کام
نہیں کرتی تھی کہ ہاتھ میں اس قدر مواد کہاں سے چلا آیا۔ ڈاکٹر حکیم۔ جراح سب
لاچار ہو گئے۔

جب اللہ کے بندوں کو بھول کر بھی خدا یاد نہیں آتا تکلیف اور مصیبت
میں وہ بھی اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ سائرہ نے میاں سے کہا میری طرف سے جا کر
ابا جان سے کہو میرا قصور معاف کریں اور دعا کریں جو میں اس تکلیف سے نجات پاؤں
عابد کا کیا بگڑتا تھا۔ حرف بحرف جا کر باپ سے کہہ دیا۔ مولوی صاحب تو ایسے
موقع کے منتظر ہی تھے۔ عابد کو لئے ہوئے چھوٹے گھر میں چلے آئے۔ سائرہ نے اٹھ کر
آداب کیا مولوی صاحب نے دعا دی۔ سر پر ہاتھ پھیرا اور بیٹھ کر فرمانے لگے۔

چھوٹی دلہن بیٹا! عجب الٹی سمجھو کہ تمہارا ہاتھ کھٹائی میں پڑ گیا میں نے
جہاں تک تمہارے حالات سنے اور دیکھے تعجب ہوتا ہے کہ تم مرنے کو کیوں بھول گئیں
اس چند روزہ زندگی نے تمہاری آنکھوں پر ایسے غفلت کے پردے ڈال دیئے
کہ تم خدا سے بالکل ہی منحرف ہو گئیں۔ عذاب قبر کا اندیشہ سزائے دوزخ کا ڈر
نام کو بھی نہیں رہا۔ رہتا کہاں سے جب خدا ہی نہیں تو موت کیا اور موت نہیں تو
سزا کیا اور جزا کیا۔ بڑے صدمے کی بات ہے کہ تم مسلمان ہو مسلمان کے گھر پیدا
ہوئیں۔ مسلمان کی بیٹی، مسلمان کی بہو اور شیطان نے تم کو ایسا ورغلایا کہ خدا
کے آگے سجدہ کرنا حرام۔ نماز تمہارے اوپر فرض کی گئی تم اس سے اس قدر غافل کہ
پڑھو نہ پڑھنے کا افسوس کرو گویا تم کو مرنا نہیں ہے اور جو کچھ کر رہی ہو اس کا جواب
دینا نہیں ہے۔ جب تم نے اس کی عبادت سے منحرف ہو کر اپنے تئیں [illegible]

سے بری کرلیا۔ تو بڑی بے عزت ہو جو پھر اس سے واسطہ رکھو۔ سانس لینے کے واسطے
تھوڑی سی ہوا بناؤ پینے کے لئے پانی لاؤ کھانے کے لیے غلہ بناؤ مرض کی شکایت
نہ کرو۔ عسرت کا گلہ نہ کرو۔ جب چاہو تندرست ہو جاؤ۔ جب ضرورت ہو متمول ہو جاؤ
ذرا عقل پر زور دو تو معلوم ہو جائے کہ یہ ہی معمولی چیزیں زمین آسمان چاند سورج
دریا پہاڑ ندی نالے درخت، کنوئیں جانور غرض جس کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھو گی
خدا کی عظمت کا پتہ دے رہی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے پھولوں کو دیکھو پھولوں کے پتوں
کو دیکھو، پتوں کی گلکاری کو دیکھو، غرض کائنات دہر میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو
اظہار قدرت نہ کر رہی ہو۔ پرندوں کی تسبیح و تہلیل کو دیکھو اور اپنی اس ہمت ذلیل کو۔ آج
کوئی شخص تم کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھتا ہے تو اس کی صورت دیکھنے کی روادار نہیں ہوتیں
اس عزیز الحکیم کی شفقت و محبت پر نظر کرو کہ تمہاری ان نافرمانیوں احسان فراموشیوں
نالائقیوں پر بھی تم کو اپنی نعمت سے محروم نہیں کیا۔ آنکھیں تم کو اس لیئے دی گئی
تھیں کہ خدا کی قدرت کو دیکھو اس کی عظمت کو پہچانو حفاظت ایمان کرو تلاوت
قرآن کرو غریبوں کو دیکھ کر رحم کرو اپاہجوں کی خدمت کرو اندھوں کو دیکھ کر شکر کرو زمانہ
کا انقلاب دیکھ کر ڈرو یا اس لئے کہ دوسروں کی حالت دیکھ کر حسد کرو بتاؤ تم نے آج تک کتنے
اندھوں کو پانی پلایا کتنے اپاہجوں کی خدمت کی تمہاری آنکھیں اس قابل نہ تھیں کہ دونوں
چوپٹ ہو جاتیں۔ زبان تم کو اس لیے دی گئی تھی کہ خدا کی تسبیح کرو بھلی بھلی باتیں کہو یا یہ
غرض تھی کہ بزرگوں کی شان میں گستاخی کرو چھوٹوں کی دل آزاری کرو۔ تمہارا منہ
(خدا نخواستہ) بند کا بند رہ جاتا تو تم کیا کرتیں۔ تمام جسم میں سے اگر ایک عضو بیکار
ہو جاتا تو زندگی دوبھر ہو جاتی دیکھ لو ایک ذرا سے ہاتھ جلنے نے کیا ناچ نچا رکھا ہے
تمہاری اس ناشکری سے اس کی شان کبریائی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اپنی
نافرمانیوں کا اس شہنشاہِ دوجہاں کی نعمتوں سے مقابلہ کرو تم کو اشرف المخلوقات

پیدا کیا ماں کو دودھ دے کر تمہاری خدمت کروائی۔ تم پل پلا کر ایسی نکلیں کہ اس کے مراحم
خسروانہ پر بالکل ہی خاک ڈال دی۔ بدلہ اس کی عنایتوں کا یہی معاوضہ تھا اور
تمہاری نالائقیوں کی کیا یادداشت ہے۔ کیسے کیسے واقعات تم کو پیش آئے۔ مگر کبھی
تمہارے کان پر جوں نہ چلی۔ جس زندگی پر تم پھولی بیٹھی ہو فقط سانس ہی کا تو کھیل ہے
یا کوئی پٹہ لکھوا لائی ہو۔ یہ بھی تمہاری ماما ذرا پرسوں دیر کر کے آئی تھی تو تم اس طرح
بگڑ رہی تھیں کہ مجھ تک صاف آواز آ رہی تھی۔ تم نے اپنے آقا اپنے مالک کی کتنی
خدمت انجام دی ذرہ بھر نہیں رتی بھر نہیں۔ مفت کی روٹیاں توڑیں اور بے غیرتی
کی تنخواہیں ماریں ایک دن بھی اپنا فرض منصبی ادا نہ کیا۔ غور کرو اور گریبان میں منہ
ڈال کر دیکھو صبح سے شام تک کتنے کام اچھے کرتی ہو اور کتنے برے۔ رات کو سوتے
وقت سوچو کہ دن بھر کیا کیا تمہارے دادا اللہ بخشے اس مزاج کے آدمی تھے میں
نے اکثر انکو جمعہ میں دیکھا مگر آج مجھ کو آئے ہوئے دو مہینے کے قریب ہو گئے۔ تم کو
ایک وقت کی نماز پڑھتے ہوئے سنا بھی نہیں جو تھا یا پانچواں وقت ہو گا۔ میاں سلیم سے
ملاقات ہوئی۔ وہ بھی تم سے کچھ خوش نہیں۔ ماں کو بھی ناخوش سنتا ہوں۔ غرض کوئی
ایسا نہیں جو تمہاری تعریف کرتا ہو۔ قرآن شریف تو شاید تم نے پڑھا ہے وبالوالدین
احسانا اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما
وقل لھما قولا کریما ۝ واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما
ربیٰنی صغیرا ۝ (ترجمہ) اور ماں باپ سے بھلائی۔ کبھی پہنچ جاویں تیرے سامنے بڑھاپے کو
وہ ایک یا دونوں تو نہ کہہ انکو ہوں اور نہ جھڑک انکو اور کہہ انکو بات ادب کی اور جھکا
ان کے آگے کندھے عاجزی کر کر نیاز سے اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا۔
ماں جس نے پیٹ میں رکھا خدمت کی پالا پوسا دن کو دن نہ سمجھا رات کو رات
رات نہ سمجھی وہ کیسی نالاں باپ تو وہ عمر یادی بتاؤ تو سہی خدا کو کیا منہ دکھاؤ گی اور

کیا جواب دو گی۔ تم خود بھی تو ماں ہو سمجھ سکتی ہو جان سکتی ہو اور جانتی ہو کہ کس مصیبت سے بچے پلتے ہیں۔ ماں جیسی نعمت کی تم نے یہ قدر کی اس کا خمیازہ تم کو دنیا میں یہ ملا کہ جو ہے وہ تم سے بیزار آخرت کا تو حال معلوم ہی نہیں کہ کیا ہوگا۔ کواری تھیں تو ماں باپ کا دم ناک میں کیا بیاہی گئیں تو ماں کو غلام سمجھا۔ ساس ہی کو خوش رکھا ہوتا تم نے تو خاک بھی کچھ نہ کیا اور بھی تو دہوئیں ہیں یا تم ہی انوکھی ہو کہ خدا کی نہ رسول کی روزے کی نہ نماز کی باپ کی نہ ماں کی میاں کی نہ ساس کی میں تمہاری ساری داستان سُن چکا ہوں مگر اس کا دہرانا مصلحت نہیں سمجھتا۔ خود ہی خیال کرو کہ کیا کر چکی ہو اور کیا کر رہی ہو سسرال تمام دنیا کی لڑکیوں کے واسطے دوسری دنیا کہی جاتی ہے مگر تمہاری سسرال انصاف کرو تو میکے سے کم نہ تھی۔ ذرا انسانیت سے کام لیتیں تو عابد جیسے میاں کے دل میں گھر کر لینا اور اس کی ماں جیسی ساس کو پرچا لینا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اب بھی اگر صدق دل سے توبہ کرو اور جو کیا ہے اس پر منفعل ہو تو کچھ نہیں گیا وہ غفور رحیم ہے معاف کرے گا۔ ماں باپ تم سے لاکھ بیزار ہوں جس وقت سامنے جا کر سرنگوں کھڑی ہو گی تمہاری خطاؤں پر خاک ڈالیں گے۔ ساس کو اگر آج تمہاری صلاح کا حال معلوم ہو جائے تو میں سچ کہتا ہوں کہ وہ عابد سے زیادہ تم کو سمجھیں۔ عابد گو میرا بیٹا ہے مگر تم بھی اس کے مزاج کو سترہ اٹھارہ برس سے برت رہی ہو اس کو رضامند کرنا کیا مشکل کام ہے سچ پوچھو تو تمہاری برابر کوئی خوش نصیب نہیں کہ ابھی سب باتیں تمہارے اختیار میں ہیں۔ خدا کی عنایت سے والدین بھی زندہ ہیں ساس بھی موجود ہیں اب ہاں سب سے بڑا معاملہ خدائے وحدہٗ لاشریک کا اس کا دریائے رحمت ہر وقت موجزن ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جب سر جھکاؤ گی اور اپنے پچھلے قصوروں کی معافی چاہو گی جو مانگو گی وہ عطا کرے گا۔ سائرہ بیٹی! دنیا تو ہر طرح گذر ہی جائے گی مگر وہاں کیا کرو گی جہاں ان اعمال کی بازپرس ہوگی

ہوتی ہے۔ یاد رکھو اس وقت کوئی چیز کام نہ آئے گی۔ ہاتھ پاؤں جنکو اپنا سمجھ رہی ہو تمہارے
برخلاف شہادت دے رہے ہونگے۔ زبان تمام کچا چٹھا کھولدیگی یقین کرو کہ تمہارے
افعال اعمال نشست برخاست حرکات سکنات سب قلبند ہو رہی ہیں اور یہ دفتر ایک
دن کھلنا ہے۔ اس دن کو سامنے سمجھو اور اس وقت کو آیا گنو جو چہوٹی دلہن بیٹی دل سے زبان سے
ہاتھ سے پاؤں سے اپنے سے غیر سے جو کچھ کر دیا سمجھ لو کہ اس کا حساب دینا پڑیگا۔ موت کو
دور نہ سمجھو۔ کیسے کیسے کڑیل جوان اٹھے چلے جا رہے ہیں دیکھ لو وبا نے محلہ کا محلہ خالی کر دیا
میرے سامنے کے بچے جنکا سبزہ بھی آغاز نہ ہوا اجل کا شکار ہوگئے۔ یہ سب تماشے بے ثبات
عارضی تعلقات ہیں۔ اصل مکان وہی ہے یہ وہ رستہ ہے کہ دن رات چل رہا ہے ڈولیاں
لگی کھڑی ہیں چلنے کے واسطے تیار۔ ہو اس ظاہر فریب دنیا کے بے اصل فروعات جنمیں تم
میں آشنا نہ بنو کہ وقت پر انکا فراق ناگوار خاطر ہو۔ یہ رشتے فانی یہ تعلقات سریع
الزوال یہ حیات بے ثبات دو لمحہ کی ہے۔ اور وہ رستہ بہت بڑا ہے۔ اچھے اچھے نمازی
پرہیزگار عابد و زاہد گر اور ایک ذرا سی بھول چوک میں خطاوار ہو جاتے ہیں۔ کام وہ کرو
کہ یہاں نیک نام رہو اور وہاں شاد کام۔ دنیا کو اس طرح برتو کہ جو دیکھے وہ خوش ہو
اور جو سنے وہ تعریف کرے۔ خدا کے سامنے اس طرح جاؤ کہ اعمال کا تاسف نہ کرنا پڑے
دنیا ایک سرا ہے اور زندگی زمانہ سفر۔ یہ اچھے برے واقعات جو تم کو پیش آ رہے ہیں سب
عارضی ہیں۔ مسافر ہو کر چند روز سرا میں رہ کر اپنے اصلی گھر کو واپس چلی جاؤ گی۔ ایمان
تمہارا زاد راہ ہے اور شیطان قزاق۔ اس طرح غافل ہو کر نہ سوؤ کہ جمع پونجی سب
غارت ہو جائے۔ جن آنکھوں سے آئی ہو انہیں آنکھوں سے جاؤ۔ ان بے ثبات
جھگڑوں کی دلدادہ نہ ہو۔ تم کیا اور تمہاری محبت کیا۔ مسافر کا کوچ کیا اور مقام کیا۔ منزل
کی صبح کیا اور شام کیا۔ اللہ کے بندوں کی دعائیں لو یہ تمہاری سوغات ہے۔ روح کو پاک
صاف لیجاؤ جو تمہارے پاس امانت ہے۔ عرب میں مجھکو ایک ایسے بالاخانہ پر ٹھہرنے

کا اتفاق ہوا کہ جس کے نیچے سرا تھی۔ میں دن بھر یہی دیکھتا تھا کہ بیسیوں مسافر آئے
ایک دو روز ٹھہرے اور چلے گئے۔ اس سرا کو دیکھ کر مجھ کو بالکل دنیا کا نقشہ یاد آتا
تھا بعینہٖ یہی کیفیت سرائے دنیا کی ہے۔ آئے کچھ عرصہ ٹھہرے اور چل دئے۔ آگے
پیچھے اور سویر سب چلے جا رہے ہیں۔ تمہاری دادی کے غسل میت میں باہر کے دالان
میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ جب مہمان رخصت ہو گئے اور گھر ہی گھر کے آدمی رہ گئے
تو تمہارے پیپل والے مکان میں میں نے جو گنا تھا تیس آدمی سپید ڈاڑھی والے ایک
خاندان کے موجود تھے اب بتاؤ کتنے ہیں سب نے جا کر قبروں کو آباد کر دیا۔ ایک تمہارے
چھوٹے نانا کا دم باقی ہے سو وہ بھی کوئی دن کی ہوا کھا رہے ہیں۔ تمہاری شادی
میں اُن صورتوں میں سے ایک صورت بھی نہ دکھائی دی۔ سائرہ بیگم اس گھر کو تو خوب
سنوارا کرسیاں اور میزیں پڑے اور چلمنیں لگیں اور گھڑیاں پھول اور پھلواری
سب کچھ لگایا اس گھر کا بھی تو کچھ فکر کرو۔ جہاں ابا اور دادا رہتا ہے کوئی چار روز ادھر گیا
کوئی چار دن اُدھر جا سب ایک ہی جگہ رہتے ہیں۔ منزل وہی رستہ وہی قبر وہی
کفن وہی کسی کے واسطے خارستان اور کسی کے واسطے گلستان۔

تم کو دنیا میں اگر دھوکا دیا گیا تو کیا اس لئے کہ کم و بیش پر شیر ہو۔ بیچاری
مظلومہ جس کی میں اور تمہاری ساس دونوں عزت کرتے ہیں۔ اس ٹوٹے ہوئے
گھر میں پڑی ہے اور آج سے نہیں بیس پچیس برس سے کیا شریف عورت ہے۔ تمام رنڈاپا
ہماری آنکھوں کے سامنے اس نے صبر سے کاٹ دیا۔ مفلسی میں کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا
فاقے میں کسی سے بھیک نہ مانگی۔ بیوہ دکھیا مصیبت کی ماری مگر ایسی اپنا خدا دار اور
پرہیزگار کہ مر جائے اور نماز نہ چھوڑے۔ اس فقیری میں یہ کیفیت ہے کہ دن بھر کے
دکھڑے ہیں جو کچھ میسر ہوتا ہے اس میں سے بھی ایک آدھ کی روٹی مسجد میں بھیج دیتی
ہے۔ بھلا وہ تمہارے ٹھٹھے میں نہیں دینے کی ہیں۔ آج تمہیں پاس بیٹھتے خواہ مخواہ

بلا وجہ بلا قصور سینکڑوں باتیں سنا ڈالیں۔ بیٹی میں سچ کہتا ہوں اسکا چہرہ معبود حقیقی
کے سامنے چودہویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا اور تم سرنگوں کھڑی ہوگی۔

تم نے جس وقت سے ہوش سنبھالا اس روز سے آجتک عمر گزشتہ پر ایک
نظر ڈال جاؤ اور دیکھو کہ تمہارے اعمالنامے میں کتنی نیکیاں ہیں اور کتنی بدیاں۔ یہ
تمہارے افعال تخم ریزی تھے۔ جس کی کھیتی تم کو مر کر کاٹنی پڑے گی جو بویا ہے وہ ہی لینا۔ بیٹا!
وہ بہت نازک وقت ہوگا اس وقت کی شرم خدا ہی کے ہاتھ ہے۔ عابد و زاہد ولی و نبی
سب سراسیمہ و پریشان ہونگے۔ اعمال کے سوا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔ خدا کے واسطے
اپنی حالت پر رحم کرو مرنے کا یقین کرو اور اس آنیوالی گھڑی کا خوف کرتی رہو۔ کام
ایسے کرو کہ رستہ آسانی سے طے ہو جائے۔ ایسی ہلکی پھلکی جاؤ کہ چشم زدن میں بیڑا پار ہو جائے

ہاتھ کی اذیت نے سائرہ کو پہلے ہی خدا کی طرف کچھ کچھ متوجہ کر دیا تھا۔ مولوی
صاحب کا وعظ شروع کرنا تھا کہ کانپ گئی آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ مولوی صاحب
کہتے جاتے تھے اور اس کی طبیعت بے اختیار ہوتی جاتی تھی۔ اتنا روئی اتنا روئی
کہ ہچکی بندھ گئی۔ افعال گزشتہ پر نظر ڈال کر دیکھتی تھی تو تمام اعمالنامہ سیاہ نظر
آتا تھا۔ تل پر سفیدی باقی نہ تھی۔ سوچتی تھی کہ کوئی دن ایسا نہیں گذرا جو دس بیس گناہ
سرزد ہوئے ہوں۔ مولوی صاحب وعظ فرما کر عصر کی نماز کو چلے گئے۔ سائرہ روتے
روتے بیہوش ہو گئی۔ وہی خیالات خوف و عذاب جو بیقرار کر رہے تھے خواب
کی صورت میں ظاہر ہونے لگے۔ کیا دیکھتی ہے کہ گھر میں مرد اور عورتیں بھری ہوئی ہیں
اور آپ مردہ پڑی ہے۔ شاکرہ ایک کونے میں کھڑی رو رہی ہے۔ بچے سر پھوڑ رہے
ہیں۔ دادی کھڑی چیخ رہی ہیں اور نہلانے کی تیاریاں کرتی جا رہی ہیں۔ ماما
اور نائی نے بچھا کر تختے پر لٹایا اور غسل دینا شروع کیا نہلا چکیں تو عطر لگایا
گلاب لگایا۔ کافور لگایا۔ کفن پہنایا اور چارپائی پر لٹا دیا۔ ماں روتی رہی

نائی بیٹھی رہیں۔ بچے چیختے رہے مردوں نے کلمہ پڑھ چارپائی اُٹھائی اور لے چلے شہر سے باہر نکل کر ایک ٹوٹی ہوئی مسجد میں نماز پڑھی اور قبرستان میں لے گئے۔ قبر پہلے سے تیار تھی۔ باپ اور نانا نے مل کر قبر میں اُتارا اور پٹاؤ رکھ کر مٹی ڈالنی شروع کی بہتیرا چیخی چلائی آوازیں دیں نام لے لے کر پکارا مگر کسی نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ پٹاؤ کا کہنا تھا کہ قبر نے اس زور سے بھینچا کہ تمام ہڈیاں پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ فشار قبر سے فارغ ہوتے ہی دو ایسی صورتیں دکھائی دیں کہ تمام عمر دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے ہاتھوں میں گرز اور سوگریاں تھیں۔ چند سوال کئے مگر سائرہ ایسی سٹ پٹائی ہوئی تھی کہ ایک سوال کا بھی جواب نہ دے سکی دہکتی ہوئی سوگریاں اور چمکتے ہوئے گرز پڑنے شروع ہو گئے مار پیٹ چکے تو ان میں سے ایک نے بآواز بلند کہا۔

سائرہ! تیرا سفر ختم ہوا تو دنیا میں اس غرض سے بھیجی گئی تھی کہ نیک عمل کرے اور اس گھر میں آنے کے واسطے ہمیشہ تیار رہ۔ افسوس تو نے مسافر ہو کر ایسی ڈہی دی کہ نکلنے کو بھی جی نہ چاہا۔ تو کیا سمجھتی تھی کہ گھر آج تجھ کو روشن و منور ملتا جواب اندھیرا گھپ پڑا ہے۔ تجھ کو اپنے اعمال کی سزا بھگتنی ہے۔ دوزخ تیرے واسطے تیار ہے۔ تیرے اوپر یہ سات جرم قائم کئے گئے ہیں ان کا جواب دے تاکہ سزا شروع ہو جائے۔ چونکہ تو مسلمان تھی اور تیرا ایمان قرآن تھا۔ یہ ساتوں جرم کلام الٰہی کی آیتوں کے بموجب ہیں اور تیری بریت کے واسطے تجھ کو اتنا اختیار دیا جاتا ہے کہ تو احکام الٰہی سے ان کی تردید کر دے۔

"خدا کو کبھی سجدہ نہ کیا۔ ماں باپ کو ناراض کیا۔ خاوند کی اطاعت نہ کی مال یتیم غصب کیا۔ غریبوں کی دل آزاری کی۔ جھوٹ سے تو نہ بچی۔ حسد تو نے کیا۔ زکوٰۃ نہ دی خیرات نہ کی۔

جب چرواہے نے تیرا بچہ اچھا کیا تھا اس کو بلا کر اب اس مصیبت سے بچا۔
یہ کہکر ایک گرز اس زور سے مارا کہ نعش کا تمام جسم پاش پاش ہو گیا۔ گرز کا پڑنا
تھا کہ سائرہ نے چیخ ماری۔ آنکھ کھولکر دیکھا تو ساس سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں
وعظ کا اثر خواب کا ڈر کا بوٹی بوٹی کانپ رہی تھی۔ اب سائرہ کو یقین ہو گیا
کہ واقعی میں خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق ہوئی۔ اگر میں مر گئی ہوتی تو ہمیشہ
کے واسطے وہ عذاب تھا اور میں تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی ان جرائم کا انسداد اور
اعمال کی تلافی میرے اختیار میں ہے۔ اٹھی اور ساس کے گلے لپٹ کر رونا شروع
کیا۔ قصور معاف کرایا۔ مالن سے پانی کا لوٹا منگوا کر وضو کیا۔ خدا کی شان کڑکڑاتے
جاڑوں میں ٹھنڈا برف پانی ہاتھ پر تیر کی طرح لگتا مگر خاصیت میں اکسیر ہو گیا۔ وضو
کیا نماز پڑھی۔ یہ عمر کی پہلی نماز تھی جو سائرہ نے پڑھی۔ سجدے میں پڑی تھی
اور آنکھ سے آنسو کی لڑی بہ رہی تھی۔ نماز سے فارغ ہوئی۔ میاں کے آگے
ہاتھ جوڑ قصور معاف کرایا۔ اجازت لے کر ڈولی منگوائی اور ماں کے پاؤں میں جا کر
گر پڑی ماں نے اٹھا کر کلیجے سے لگایا۔ سائرہ کی ندامت و انفعال دیکھ کر شاکرہ
اور سلیم دونوں نہال ہو گئے۔ ماں کے ہاں سے آئی دونوں جٹھانیوں سے گلے
ملی۔ گلے لگ کر پچھلے سے معافی مانگی۔ معلومہ کے آگے ہاتھ جوڑے اور نہایت
عاجزانہ و عابدانہ زندگی بسر کرنے لگی۔ خدا کی شان بڑی ہے جس گھر کو چاہے وہ دم
بھر میں جو کچھ کرے وہی سائرہ جو کبھی بھولکر بھی خدا کا نام لیتی تھیں۔ ایسی عابد
زاہد ہوئیں کہ جو دیکھتا وہ تعجب کرتا۔ صبح چار بجے سے نماز کو اٹھتی نماز سے
فارغ ہوئی۔ قرآن شریف لیکر بیٹھی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک پڑھتی رہی۔ اس کے
بعد وظیفے شروع کئے۔ غرض نوافل اشراق تک مکروہات وغیرہ کو ہاتھ لگانا
قسم تھا۔ وہ سائرہ جو ساس کی جان کی دشمن اور خون کی پیاسی تھی۔ ساس کی

ایسی خدمت کرنے لگی کہ ماماؤں کو پرے بٹھا دیا۔ میاں کی ایسی طاعت کی کہ کیا
کوئی لونڈی کرے گی۔ جس بیوی نے کبھی میاں کے انگرکھے میں بند تک نہ ٹانکا بارہ
بارہ ایک ایک نیچے تک پاؤں دابتی وہ بیٹی جس نے ماں کو کبھی جوتی کے برابر نہ سمجھا
دور سے شکل دیکھ لیتی تو تعظیم کو کھڑی ہو جاتی وہی محلے کی عورتیں جو سائرہ کے نام سے
کانوں پر ہاتھ دھرتی تھیں۔ جو منہ میں آتا کہہ جاتیں اور وہ سنکر چپ ہو جاتی۔ گھر
کا تمام اسباب بڑے گھر میں بھجوا دیا اور ماں کے ساتھ رہنے سہنے لگی۔

سائرہ کی اصلاح ایک ایسا اچنبھا تھا کہ جو سنتا تھا وہ جھوٹ سمجھتا تھا۔ اتفاق
سے کنبے میں ایک شادی ٹھہری۔ ڈومنیوں کے ناچ کے وقت سب بیویاں اکٹھی ہو کر
بیٹھیں تو سائرہ کی تلاش ہوئی۔ سائرہ نماز تہجد کی نیت باندھ چکی تھی۔ فجر تک جانماز
پر بیٹھی پڑھتی رہی۔ سائرہ کی یہ کیفیت دیکھ کر اس بھرے مجمع میں کوئی عورت ایسی
نہ تھی جو اس کی تعریف نہ کرتی ہو۔ کئی دفعہ مرید ہونے کا ارادہ کیا۔ مگر مولوی صاحب
اپنی طرف سے ایک عرصہ تک ٹالتے رہے۔ جب سائرہ کے اس استقرار کا مولوی
صاحب کو اعتبار ہو گیا تو ایک قدوۃ الصلحاء ولی اللہ شاہ کا مرید کرا دیا۔ مرید ہونا تھا کہ
بے ثباتی دنیا کا نقش دل پر جم گیا۔ دن رات سائرہ تھی اور ذکر خدا تھا۔ کوئی دن
ایسا نہ جاتا تھا جو خدا کی عظمت کو یاد کر کے گھنٹہ آدھ گھنٹہ نہ روتی ہو۔ چند روز میں
نوبت یہاں تک پہنچی کہ مال اور اولاد غرض دنیا و مافیہا سے بیزار ہو گئی۔ کوئی سائل
دروازے پر آتا تو ننگے پاؤں دوڑ کر کھانا دیتی۔ نماز و تلاوت سے جو کچھ وقت
بچتا اپاہجوں کے کپڑے سیتی یتیموں کی خدمت کرتی۔ مسافروں کا کھانا پکاتی جس
اللہ کی بندی نے عمر بھر رمضان کا بھی کوئی روزہ نہ رکھا جمعہ جمعرات کا روزہ رکھنے
لگی۔ بیوی کی یہ کیفیت دیکھ کر عابد کا دل خود بخود بے ثباتی دنیا سے بیزار ہوتا چلا
آپ بھی مرید ہوا اور دونوں میاں بیوی فی الحال ہر وقت اللہ اللہ کرنے لگے۔ ماں

باپ کی کیفیت دیکھکر بچوں پر ایسا اثر پڑا کہ وہ چھوٹی سی بچی بھی ماں کے ساتھ جانماز پر سجدے کیا کرتی کچھ ایسی خدا کی برکت ہوئی کہ بیٹے اور بیٹیاں بہو اور داماد غرض دونوں میاں بیوی اور ساری اولاد دیندارانہ زندگی بسر کرنے لگے جس گھر میں رحمت کا فرشتہ کبھی بھول کر بھی نہ آتا تھا روز و شب یادِ خدا سے منور رہنے لگا۔

افکارِ دنیوی کے بدلے اندیشۂ آخرت سائرہ کے پیچھے ایسا لگا کہ دن رات اسی فکر سے گھلی جاتی تھی۔ کوئی لمحہ ایسا نہ جاتا تھا کہ عذابِ قبر اس کے دل سے فراموش ہوتا ہو۔ یہ ڈر سائرہ کے دل میں ایسا بیٹھا کہ بخار شروع ہوا۔ کھانسی ہوئی۔ علاج میں کی لاپروائی بخار جم گیا۔ کھانسی بڑھ گئی۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ میں یہ کیفیت ہو گئی کہ بخار دم بھر کو بھی مفارقت نہ کرتا۔ مولوی صاحب اور عابد نے سینکڑوں علاج کر ڈالے شاکرہ اور سلیم نے بیسیوں حکیم بدل ڈالے مگر بخار کو مطلق جنبش نہ ہوئی ڈاکٹروں نے سل تجویز کی حکیموں نے دق بتائی۔ غرض سب نے جواب دیدیا۔ علاج پورے ہوئے اور تدبیریں ختم

چھ سات مہینے تک سائرہ بیماری کی مصیبتیں جھیلتی رہی مگر کیا مجال جو ایک وقت کی نماز قضا کی ہو یا اوقاتِ معمولی میں فرق آنے دیا ہو۔ بخار زور شور کا چڑھا ہوا ہے کھانسی ہے کہ دم نہیں لینے دیتی۔ مگر وضو کیا اور نماز کو کھڑی ہو گئی۔ لیکن کہاں تک بخار ایسا ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا کہ سب بل نڈھل خاک میں مل گیا۔ سوکھ کر کانٹا ہو گئی طاقت بالکل سلب۔ چند روز یہ کیفیت رہی کہ دو آدمی پکڑ کر بٹھا دیتے اور نماز پڑھ لیتی جب اس لائق بھی نہ رہی تو لیٹے ہی لیٹے جس طرح ہو سکتا اور جتنا کچھ ہو سکتا پڑھ لیتی۔ سو کیونکہ تھک گئی۔ تیمارداروں کی زبردستی سے شور ہے کے دو ایک گھونٹ پیئے۔ مگر اوپر پیٹے اندر نکل گئے۔ جس دن سے سائرہ بیمار پڑی تھی۔ شاکرہ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ چپکے چپکے بیٹھی رویا کرتی سلیم نے ایک دفعہ سمجھایا کہ تم کیوں دکھ

بدشگونی کرتی ہو انشاء اللہ اچھی ہو جاؤگی۔ میاں کا اتنا کہنا تھا کہ شاکرہ نے بے اختیار ہو کر کہا یہ غیرنی میری آنکھوں کے سامنے سے اٹھی چلی جارہی ہے۔ تم مجھ کو بہلاتے ہو میں ایسی بچہ نہیں ہوں جو اتنی بات بھی نہ سمجھ سکوں۔ کیا کہتے ہو سائرہ مجھ سے چھوٹ جائے اور میں اُف نہ کروں۔

دوپہر کے وقت ایک وز شاکرہ نے چنبیلی کا تیل ڈال کر سائرہ کے سر میں کنگھی کی پکیرشے بہلے شاکرہ کے ہاتھ میں خدا نے کچھ ایسی برکت دی کہ سائرہ خودبخود اُٹھ بیٹھی شوربا منگوا کر پیالہ اپنے ہاتھ سے پانچ چھ دلنے اتار کے کھائے۔ خاصی اچھی طرح بیٹھی سب سے باتیں کر رہی تھی کہ پھر موا خذۂ عاقبت کا تصور بندھا۔ ماں سے کہنے لگی مجھ سے زیادہ بد نصیب کون ہوگا۔ ماں باپ کو میں نے تکلیف پہنچائی۔ سسرال والوں کو میں نے اذیت دی۔ خدا کی عبادت مجھ سے نہ ہوئی۔ خدمت الوں کی خدمت مجھ سے نہ ہوئی۔ گنہگار رہی شرمسار چلی۔ مجھ پر جو کچھ عذاب ہو سب بجا اور درست ہے۔ میں روسیاہ اسی قابل ہوں۔ عمر ختم ہوئی۔ دو چار سانس باقی ہیں وہ پورے کر رہی ہوں۔ دنیا کا سفر پورا ہوا۔ اب آخرت کی منزل درپیش ہے۔ جو کچھ لائی تھی سب لٹا چکی۔ خالی ہاتھ۔ کوئی سنگ نہ ساتھ سفر ہولناک رستہ کٹھن منزل کڑی اماں کیسی مصیبت آکر پڑی۔ غریبوں پر ظلم کئے یتیموں کے مال مارے بے ایمانیاں کیں غیبتیں کیں حسد کیا غرض کوئی کام ایسا نہ کیا جو انجام اچھا ہوتا ایک چھینٹے نے میری جان پر بنا دی۔ دوزخ کی آگ کس طرح برداشت کرونگی۔ میں نے تو ایک بھی نیک کام نہ کیا۔ مغفرت کی امید کس بھروسے پر۔ خدا کے واسطے مجھ پر رحم کرنا میرا کہا سنا معاف کرنا۔ اباجان آپ بھی میرے قصوروں کو معاف کیجئے۔ مجھکو اتنی جلدی نہ بھول جائیگا کہ میں فاتحہ کو بھی محتاج ہو جاؤں۔ اس کے بعد سائرہ میاں سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ کھانسی اٹھی اور اس غضب کی کہ سانس لینا

متشکل ہو گیا۔ اسی حالت میں سائرہ نے خاوند کے اوپر نگاہ ڈالی ہاتھ دونوں جوڑے
آنکھیں پھیر گئیں۔ سب نے ملک چت لٹایا شاکرہ کے ہاتھ پر سر تھا کہ سائرہ کی روح نے
عالم بالا کو پرواز کیا۔

سائرہ کا مرنا ایک ایسی بھاری موت تھی کہ سب کے دل بیٹھ گئے شاکرہ کی آس
ٹوٹی سلیم کی کمر ٹوٹی عابد کا دل ٹوٹا سائرہ تو آپ مر گئی اور پس ماندگان کو مردہ سے بدتر
بنا گئی۔ شاکرہ یا تو ہر وقت بیٹی کو برا بھلا کہتی رہتی تھی یا یہ کیفیت ہوئی کہ دن رات
منہ سر اوندھائے پڑی رہتی۔ بیٹی کے ساتھ ہی کھانا پینا سب چھوٹ گیا۔ کسی نے
کچھ زبردستی کھلا دیا تو تھوڑا بہت کھا لیا۔ ورنہ وہ تھی اور سائرہ کا خیال۔ عابد
تو بیوی کے ہاتھوں زندگی سے تنگ آگیا تھا یا ہر وقت گم سم بنا بیٹھا رہتا۔ بچے
بے وارثے ہو گئے سر پہ باپ نانا نانی دادی سب موجود تھے مگر ماں کی بات ہی
کے ساتھ تھی۔ سلیم یا تو ایسا بیزار تھا کہ شکل دیکھنے تک کا روادار نہیں یا ایسا بچھڑا
ہوا کہ قبر پہ بیٹھ کر گھنٹوں روتا۔ ماں جب تک زندہ رہیں رات کو سوتے وقت
ایک سورۂ یوسف ایک وقت کا کھانا ہو کے نام کا برابر بھیجتی رہیں۔ مولوی صاحب نے
یہ معمول کر لیا کہ جمعہ کو نماز مغرب اور پیر کو نماز صبح قبرستان میں جا کر پڑھتے تھے ان
کا حال تو خدا ہی جانے مگر بظاہر سائرہ اپنے ہمسفروں کے پاس آخر منزل میں
اتنی محبت چھوڑ گئی کہ اس بیکسی و تنہائی کے عالم میں بھی اس کے پاس کچھ نہ کچھ
پہنچایا کرتا تھا۔